رمضان المبارک ۱۴۳۶ھ
جولائی ۲۰۱۵ء

ماہنامہ میثاق لاہور

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی
بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

- رسول اللہ ﷺ نے رمضان المبارک کیسے گزارا؟
  انجینئر مختار فاروقی
- اُمّتِ مُسلمہ کی زبوں حالی اور اقبال کی راہنمائی
  حافظ عاکف سعید
- روہنگیا مسلمانوں کی حالتِ زار اور مُسلم اُمّہ کی بے حسی
  رفیق چودھری

داعیٔ رجوع الی القرآن، بانیٔ تنظیم اسلامی
محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ
کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن پر مشتمل

بیانُ القرآن

حصّہ ہفتم
ترجمہ ومختصر تفسیر
سُورۃ قٓ تا سُورۃُ النّاس
اپنا سیٹ مکمل کرلیجیے!

صفحات 560
قیمت 650 روپے

★عمدہ طباعت ★ دیدہ زیب ٹائٹل اور مضبوط جلد ★ امپورٹڈ آفسٹ پیپر

ملنے کے پتے

انجمن خدام القرآن خیبر پختونخوا، پشاور
A-18 ناصر مینشن، ریلوے روڈ نمبر 2، شعبہ بازار پشاور، فون: 2584824,2214495(091)

مکتبہ خدام القرآن لاہور
K-36، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 3-35869501(042)

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

ماہنامہ میثاق لاہور

اجرائے ثانی
ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

جلد : 64
شمارہ : 7
رمضان المبارک 1436ھ
جولائی 2015ء
فی شمارہ -/30
خصوصی شمارہ قیمت 60 روپے

مدیر
حافظ عاکف سعید

نائب مدیر
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِ تعاون

اندرون ملک	300 روپے
بھارت و بنگلہ دیش	900 روپے
ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ	1200 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ	1500 روپے

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700، فون: 3-35869501
فیکس: 35834000، ای میل: maktaba@tanzeem.org
ای میل برائے ادارتی امور: publications@tanzeem.org
ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67۔ علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور
فون: 36366638 - 36316638

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
طابع: رشید احمد چوہدری   مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

عرضِ احوال ______ 5
روہنگیا مسلمانوں کی حالتِ زار اور مسلم اُمّہ کی بے حسی — رفیق چودھری

تذکرہ و تبصرہ ______ 15
اُمتِ مسلمہ کی زبوں حالی اور حکیم الامت کی راہنمائی — حافظ عاکف سعید

بیانُ القرآن ______ 25
سورۃ الانبیاء (آیات ۱ تا ۷۵) — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

مطالعۂ حدیث ______ 53
شرعی احکام کی اقسام (۲) — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

خصوصی مضمون ______ 69
جنابِ رسول اللہ ﷺ نے رمضان المبارک کیسے گزارا؟ — انجینئر مختار فاروقی

شہرٌ عظیمٌ ______ 77
عظمتِ صیام اور تقلیلِ طعام — جمیل الرحمٰن عباسی

شہرٌ مبارکٌ ______ 91
روزہ اور جدید میڈیکل سائنس — پروفیسر عبدالعظیم جانباز

روزہ اور قرآن ______ 103
تقویٰ، شکر اور ہدایت کا مخزن — عامرہ احسان

قرآنیات ______ 109
اصولِ قرآن کا خلاصہ، چار چار میں — انجینئر نوید احمد

کتاب نما ______ 139
اے روشنی طبع تو بر من بلا شدی — ڈاکٹر ابصار احمد

دعوتِ فکر ______ 149
رمضان کی راتوں میں نیکی کی مارکیٹنگ — ڈاکٹر حافظ محمد زبیر

نقد و نظر ______ 154
کیا ''اپنی مدد آپ'' کا نظریہ قرآنی ہے؟ — پروفیسر عبداللہ شاہین

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

روہنگیا مسلمانوں کی حالتِ زار اور مسلم اُمّہ کی بے حسی

اُمتوں کی مثال ایک جسم کی ہے' جسم کے ایک حصے میں اگر تکلیف پہنچے تو اس کا درد سارے وجود میں محسوس ہوتا ہے۔ اور اگر جسم کا ایک حصہ کٹ جائے یا ناکارہ ہو جائے تو اُس کے اثرات پورے جسم پر پڑتے ہیں اور بعض اوقات پورا جسم بھی ناکارہ ہو جاتا ہے۔ اس کی واضح مثال اُندلس ہے۔ اسلام کے عروج کا دور تھا۔ پوری دنیا میں اسلامی تہذیب' علوم وفنون' عدل وحکمرانی کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ لیکن جب اُندلس میں اسلام کا سورج غروب ہوا تو پوری دنیا میں مسلمانوں پر گویا ذلت چھا گئی۔ تب سے آج تک مسلمانوں پر غلامی اور ذلت کے بادل چھٹنے میں نہیں آ رہے۔ جو قومیں کبھی مسلمانوں کی ماتحت اور مفتوح تھیں' آج مسلمانوں پر بدترین عذاب کی طرح مسلط ہیں اور مسلمان ان کی ہر جائز و ناجائز مان کر غلاموں کی طرح جینے پر مجبور ہیں۔ اصل وجہ کیا ہے؟ جب اُندلس میں اسلام کا سورج غروب ہو رہا تھا تو مسلمان حکمران اپنے اصل نصب العین کو بھلا کر کرسی و اقتدار کی کشمکش اور عیش وعشرت میں مشغول تھے۔ اللہ کا دین فریاد کر رہا تھا' مگر یہ آخرت کو بھلا کر دنیا کی فکر میں لگے تھے۔ پھر ان پر اللہ کا عذاب مسلط کیوں نہ ہوتا۔ سورۃ الرعد میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ وَیَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ وَیُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۲۵﴾﴾

''اور جو لوگ اللہ کے عہد کو مضبوطی کے ساتھ باندھ چکنے کے بعد توڑتے ہیں اور اس چیز کو کاٹتے ہیں جس کو اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں ان کے لیے لعنت اور برا ٹھکانا ہے۔''

آج اراکان میں بھی اُندلس کی تاریخ دوہرائی جا رہی ہے۔ جہاں مسلمان مبلّغین نے

محنت اور جانفشانی کے ساتھ اسلام کا اُجالا عام کیا تھا' قربانیوں کے بعد بالآخر ایک اسلامی ریاست قائم ہوئی اور ساڑھے تین سو سال تک اس سرزمین پر اسلام کا پرچم سربلند رہا۔ آج وہاں اسلام کا سورج غروب ہو رہا ہے اور دنیا بھر کے مسلمان حکمران اپنی اپنی ''ریاستوں کے مجاور'' بن کر ان ریاستوں اور عوام کی کمائی پر دادِ عیش دینے میں مصروف ہیں۔ بے چارے لُٹے پِٹے روہنگیا مسلمانوں کے قافلے مسلمان ممالک سے مدد کی بھیک مانگتے پھرتے ہیں' مگر مسلم حکمران اپنے ریاستی آئین کو سینے سے لگائے ان نہتے اور مظلوم مسلمانوں سے اپنی سرحدیں محفوظ بنانے میں مصروف ہیں۔ گویا ''ریاست کے پجاری'' ان حکمرانوں کے نزدیک اسلام زیادہ اہم نہیں ہے بلکہ ریاست زیادہ اہم ہے۔ تو پھر جس طرح سقوطِ غرناطہ کے بعد مسلمانوں پر ذلت اور غلامی کے بادل ابھی تک چھائے ہوئے ہیں'' ''سقوطِ اراکان'' کے بعد مسلمانوں کو مزید ذلت اور پستیوں کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

اس حوالے سے مزید بحث سے پہلے ایک نظر روہنگیا مسلمانوں کی تاریخ پر۔

☆ روہنگیا مسلمان

روہنگیا میانمار (برما) کے علاقہ اراکان اور بنگلہ دیش کے علاقہ چاٹگام (چٹاگانگ) میں بسنے والے مسلمانوں کا نام ہے۔ یہاں اسلام کی آمد اسلام کے ابتدائی سالوں میں ہی شروع ہو چکی تھی۔ ایک روایت کے مطابق اراکان میں خلیفہ ہارون الرشید کے دور میں مسلم تاجروں کے ذریعے اسلام کی دعوت پہنچی تھی۔ مسلمان مبلغین ملکوں ملکوں جا کر تجارت کے ساتھ ساتھ تبلیغ کا فریضہ بھی سرانجام دے رہے تھے۔ ان مسلمان مبلغین اور تاجروں کی ایمانداری' خوش اخلاقی اور اسلام کی سادہ اور فطری تعلیمات کے باعث وہاں آبادی کے بڑے حصے نے اسلام قبول کر لیا۔ یہاں تک کہ ۱۴۳۰ء میں یہاں ایک عالیشان اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آ گیا۔ اس وقت چٹاگانگ کا علاقہ بھی اسی ریاست میں شامل تھا۔ یہاں کی کرنسی پر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اور نیچے چاروں خلفائے راشدین کے نام کندہ ہوتے تھے۔ مسلمانوں نے یہاں مساجد تعمیر کروائیں۔ مدارس و جامعات قائم کی گئیں۔ مسلمانوں کی یہ حکومت تقریباً ۳۵۰ سال تک قائم رہی۔ پھر جب دین میں نقب زنی کے سبب برصغیر کے مسلمان رو بہ زوال ہوئے تو اراکان بھی اس کے اثرات سے محفوظ نہ رہا اور بالآخر ۱۷۸۴ء میں برما (جو اُس وقت اراکان کا پڑوسی ملک تھا) کے بدھ حکمران نے اراکان

پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا۔ اس کا نام بدل کر میانمار رکھ دیا اور اسے برما میں ضم کر دیا۔

☆ برما کی تاریخ

مہاتما بدھ کو دنیا میں امن کا ایک بڑا پیامبر اور فلسفہ عدم تشدد کا داعی سمجھا جاتا ہے اور آپ کی فکر ہے کہ جس نے کسی جانور کو بھی قتل کیا تو وہ ایسے ہی ہے جیسے اس نے کسی انسان کو قتل کیا۔ دنیا بھر میں آپ کے پیروکاروں کی تعداد قریباً ۳۵ کروڑ ہے جو زیادہ تر ایشیائی ممالک میں آباد ہیں۔ ان ممالک میں جاپان، جنوبی کوریا، لاؤس، منگولیا، سنگاپور، تائیوان، تھائی لینڈ، کمبوڈیا، بھوٹان اور میانمار شامل ہیں۔ میانمار کی قریباً ۵ کروڑ ۶۰ لاکھ کی آبادی میں ۸۹ فیصد بدھ، ۵ فیصد (تقریباً ساڑھے ۲۲ لاکھ) مسلمان، ۴ فیصد عیسائی، ۱ فیصد ہندو اور ۲ فیصد دوسری قومیں آباد ہیں۔

میانمار کا اصل نام برما تھا۔ میانمار ایک بدھ قبیلے کے نام پر رکھا گیا جو مانڈلے اور اس کے اطراف میں آباد ہے۔ یہ قبیلہ نویں صدی عیسوی میں تبت سے یہاں آیا۔ گیارہویں صدی عیسوی میں انوراٹھا نے ان کو متحد کیا، اس قبیلے نے پگان کو دارالحکومت بنایا اور بدھ مت کو قومی مذہب قرار دیا۔ ۱۲۸۷ء میں قبلائی خان نے برما پر حملہ کیا اور یہ ملک کئی حصوں میں تقسیم ہو گیا، جن میں سے اکثر پر شان قبیلے کی حکومت قائم ہو گئی۔ یہاں تک کہ سولہویں صدی عیسوی میں ٹنگو خان کی حکومت قائم ہوئی۔ اٹھارہویں صدی میں الونگ پھیہ نے موں قبیلہ کی شورش کو کچلنے کے بعد ہندوستان پر لشکر کشی کر کے اپنی سلطنت کو وسعت دی۔ ۱۷۵۲ء میں مقبوضہ علاقوں میں جانوروں کے ذبح پر پابندی لگا کر اسلام دشمنی کی بنیاد رکھ دی گئی۔ ۱۷۸۴ء میں برمی راجہ بودھا پیہ نے مسلم ریاست اراکان پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔ بودھا پیہ اسلام دشمنی میں حد سے بڑھا ہوا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے پورے علاقے کے مسلمان علماء کرام کو سور کا گوشت کھانے پر مجبور کیا اور انکار پر ان سب کو قتل کر دیا گیا۔ برما کی تاریخ یہی بتاتی ہے کہ اس واقعہ کے بعد ۷ دن تک برما کی سرزمین پر سورج طلوع نہیں ہوا۔ جس پر بادشاہ نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا، معافی مانگی۔

☆ روہنگیا مسلمانوں کی نسل کشی

اراکان اگرچہ ایک آزاد اسلامی ریاست تھی اور ۱۷۸۴ء میں بودھوں نے ناجائز قبضہ کیا تھا، اس لیے اراکان کے روہنگیا مسلمانوں نے بودھوں کے ناجائز قبضہ کے خلاف مزاحمت جاری رکھی جو کہ بدھ حکومت کو گوارا نہ تھی۔ پھر جب ۱۸۲۶ء میں اراکان اور تناسرم پر

انگریزوں کا قبضہ ہو گیا تو ایک تاریخ دان رابن میکڈوول کے مطابق ''۱۸۲۶ء میں بنگال کے مسلمانوں کو اراکان کے کم آباد علاقے میں ہجرت کی ترغیب دی گئی''۔ پھر جب بنگالی اس علاقے میں آباد ہو گئے اور مسلمانوں کی آبادی میں اضافہ ہونے لگا تو بدھ مت کے پیروکاروں کو خطرہ محسوس ہونے لگا۔ میرے خیال میں یہی وہ سازش تھی جو بعد میں اراکان کے مسلمانوں کا حق شہریت چھن جانے کا باعث بنی اور یہیں سے بدھ مسلمان تنازعہ شدت اختیار کر جاتا ہے، کیونکہ برمی قبضہ کے خلاف اراکان کے سابق روہنگیا مسلمانوں کی مزاحمت پہلے سے ہی جاری تھی۔ اوپر سے نئی مسلم آبادی نے بودھوں کو مزید حواس باختہ کر دیا۔ ۱۹۳۷ء میں جب برطانیہ نے برما کو برصغیر سے الگ کر کے ایک علیحدہ کالونی کا درجہ دے دیا تو اس کے بعد بودھوں کے حوصلے مزید بلند ہو گئے اور ان کے مکروہ عزائم میں شدت آ گئی۔ اب وہ بیک وقت مسلمانوں اور انگریزوں کے خلاف برسرِ پیکار ہو گئے۔ اس کی ایک انوکھی مثال ۱۹۳۸ء میں قائم کی گئی جب برمی بودھ برطانوی فوجوں کے خلاف جنگ آزادی لڑنے میں مشغول تھے تو گولیوں سے بچنے کے لیے مسلمانوں کو بطور ڈھال استعمال کرتے رہے۔

برما برطانوی تسلّط سے ۴ جنوری ۱۹۸۴ء کو آزاد ہوا، لیکن اراکان کے مسلمانوں نے الگ صوبے کی تحریک ۱۹۴۷ء کے دوران ہی شروع کر رکھی تھی۔ جب تقسیم ہند کا مسودہ تیار ہو گیا تو اراکان کے مسلمانوں نے مطالبہ کیا کہ انہیں مشرقی پاکستان کے ساتھ شامل کیا جائے۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ان کا یہ جائز مطالبہ تھا جو کہ مسلم لیگ کی طرف سے نظر انداز کیا گیا۔ تاہم انہوں نے الگ صوبے کی تحریک جاری رکھی۔ یہ تحریک ۱۹۶۲ء تک کافی منظم اور متحرک تھی، لیکن ۱۹۶۲ء میں فوجی جنرل نے ون نے اقتدار پر قبضہ کر لیا اور مسلمانوں کے الگ صوبے کی تحریک کو کچلنے کے لیے مسلمانوں کو باغی قرار دے کر اُن کے خلاف آپریشن شروع کر دیا اور بڑی تعداد میں مسلمانوں کو شہید کر دیا گیا۔ پھر ۱۹۷۸ء میں دوبارہ روہنگیا مسلمانوں کے خلاف ''آپریشن ڈریگون'' شروع کیا گیا، جو وقفے وقفے سے ۱۹۸۲ء تک جاری رہا۔ اس میں کم و بیش ایک لاکھ مسلمان شہید ہوئے اور اندازاً ۲۰ لاکھ کے قریب مسلمان اس دور میں بنگلہ دیش، بھارت اور پاکستان کی طرف ہجرت کر گئے۔

برما کی فوجی حکومت نے ۱۹۸۲ء میں ایک متنازع سٹیزن شپ قانون کے تحت روہنگیا نسل کے آٹھ لاکھ افراد اور برما میں موجود دوسرے دس لاکھ چینی، بنگالی، مسلمانوں کو شہری ماننے

سے انکار کردیا اور ان مسلمانوں کو اپنے علاقے سے باہر جانے کی اجازت دینے سے بھی انکار کردیا‘ جس کی وجہ سے وہاں رکنے والے مسلمانوں پر عرصہ حیات مزید تنگ ہوگیا۔ اس کالے قانون کے تحت مسجدوں کی بے حرمتی کی گئی‘ مساجد و مدارس کی تعمیر پر قدغن لگادی گئی‘ لاؤڈ سپیکرز سے اذان ممنوع قرار دے دی گئی‘ مسلم بچے سرکاری تعلیم سے محروم کردیئے گئے۔ ان پر ملازمت کے دروازے بند کردیئے گئے۔ ان کے خانگی قوانین تبدیل کیے گئے۔ لڑکیوں کی شادی کے لیے ۲۵ سال اور لڑکوں کی شادی کے لیے ۳۰ سال عمر کی تحدید کی گئی‘ جبکہ شادی کے لیے حکومت سے اجازت لازمی قرار دی گئی۔

روہنگیا مسلمانوں کی مظلومیت کی ایک تاریخ ۱۹۹۷ء میں بھی رقم کی گئی جب ۱۶ مارچ ۱۹۹۷ء کو دن دیہاڑے بے لگام بودھ راکھین صوبے کے شہر ’’مندالے‘‘ کے مسلم اکثریتی علاقوں میں داخل ہوگئے اور مسلمانوں کے خون سے اپنی پیاس بجھانے لگے۔ گھروں‘ مسجدوں اور مذہبی کتابوں کو نذرِ آتش کردیا گیا‘ دکانوں کو لوٹ لیا گیا اور مسلمانوں کو ہجرت پر مجبور کردیا گیا‘ جس کے بعد مسلمانوں نے دوسرے شہروں میں پناہ لی۔

اس فساد کی اگلی قسط ۱۵ مئی سے ۱۲ جولائی ۲۰۰۱ء کے دوران اس وقت دیکھی گئی جب بودھوں نے ایک مسجد پر حملہ کرکے عبادت میں مصروف نمازیوں کو قتل کردیا اور اس فساد کے نتیجے میں ۱۱ مساجد شہید‘ ۴۰۰ سے زائد گھروں کو نذرِ آتش اور کم وبیش ۲۰۰ مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔

دنیا میں جب کبھی‘ کہیں بھی کسی نے اگر اسلام کے نام پر کوئی ظلم کیا تو اس کا شکار بے چارے روہنگیا مسلمان ہوئے۔ حتیٰ کہ جب طالبان کی طرف سے بامیان کے مجسموں کو نشانہ بنایا گیا تو اس وقت بھی روہنگیا مسلمانوں پر حملوں کی خبریں سامنے آتی رہیں اور بودھ بھکشوؤں کی جانب سے مسلسل یہی مطالبہ کیا جاتا رہا کہ برمی حکومت کو انتقاماً برما میں موجود مساجد کو ڈھا دینا چاہیے۔

۲۰۱۰ء میں برما میں الیکشن ہوئے جس کے نتیجے میں طویل فوجی آمریت کا یہ دور ۲۰۱۱ء میں غروب ہوا اور ملک میں ایک جمہوری حکومت تشکیل دی گئی۔ اس دوران روہنگیا مسلمانوں نے بھی اپنے بنیادی حقوق اور شہریت کا مطالبہ دوہرایا لیکن بڑی سختی کے ساتھ یہ آواز دبا دی گئی۔

روہنگیا مسلمانوں پر تشدد کی تازہ لہر دراصل تین سال پہلے شروع ہوئی‘ جب مئی ۲۰۱۲ء میں ایک بدھسٹ لڑکی نے اسلام قبول کرلیا جس پر بودھ بہت رنجیدہ ہوئے اور لڑکی کو گھر بدر

کردیا۔ لڑکی نے مسلمان آبادی میں پناہ لے لی۔ چند دن بعد اس لڑکی کی لاش ملی جسے زیادتی کے بعد قتل کیا گیا تھا۔ مسلمانوں نے الزام لگایا کہ بودھوں نے اپنی خفت مٹانے کے لیے اس لڑکی کو قتل کیا ہے جب کہ بودھوؤں نے تین مسلمان نوجوانوں کو اس قتل کا ذمہ دار قرار دے دیا۔ جس کے بعد علاقہ کے حالات کشیدہ ہوگئے۔ بدھا کے پیروکار جو کہ اس لیے ننگے پاؤں چلتے ہیں کہ کہیں کوئی چیونٹی یا کیڑا پاؤں کے نیچے نہ آجائے‘ انہوں نے اپنی کینچلی اتار دی اور دنیا نے بدھسٹوں کا ایسا بھیانک روپ دیکھا جو شاید پہلے کبھی سامنے نہ آیا تھا۔ بی بی سی‘ چینل فور اور دیگر ذرائع ابلاغ میں شائع ہونیوالی رپورٹس کے مطابق ان فسادات میں مسلمانوں کے ۱۰ ہزار سے زائد گھروں کو آگ لگا دی گئی‘ گاؤں کے گاؤں جلا دیئے گئے۔ ۸۰ ہزار سے زائد مسلمانوں کو بے گھر کیا گیا۔ جبکہ ہزاروں کی تعداد میں مسلمانوں کو شہید کیا گیا اور ان کی عورتوں کی عصمت دری کی گئی۔

اس کے بعد ۳ جون ۲۰۱۲ء کو بودھ بھکشوؤں نے زائرین کی بس روکی اور اس میں سے عمرہ کی ادائیگی کرکے واپس آنے والے ۱۰ مسلمان علماء کو باہر نکال کر شہید کردیا اور بس جلا دی۔ ساتھ ہی ساتھ بودھوں کی جانب سے مسلم اکثریتی علاقوں پر بھی دھاوا بول دیا گیا۔ مسلمانوں کے ساتھ ساتھ انسانی حقوق کی تنظیموں نے بھی اس قتل عام پر بہت واویلا کیا مگر کسی کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ پہلے پہل تو مقامی حکومت کی جانب سے اسے صاف جھٹلا کر حیلے بہانے کیے جاتے رہے اور متاثرہ علاقوں میں کرفیو لگا دیا گیا اور فوج بھیج کر صحافیوں کو فساد زدہ علاقوں سے نکال دیا گیا۔ پھر ۲۰۱۲ء میں عین عیدالاضحیٰ کے موقع پر جانوروں کو ذبح کرنے پر پابندی لگا دی گئی‘ جس کے نتیجے میں عید کے روز ہونے والے فساد میں ۵۰ مسلمان جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

☆ مصائب در مصائب

جون ۲۰۱۲ء سے اب تک کم وبیش ۸۰ ہزار روہنگیا مسلمانوں کو شہید کیا جاچکا ہے‘ جبکہ ایک لاکھ بیس ہزار کے قریب روہنگیا اپنے مویشی‘ زیورات‘ سامان بیچ کر کشتیوں کے ذریعے نقل مکانی کرنے پر مجبور چکے ہیں۔ انہیں ایک اور مشکل کا سامنا کرنا پڑا کہ پڑوسی ممالک نے انہیں اپنے ساحلوں پر اترنے کی اجازت نہیں دی۔ اس مجبوری کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے انسانی سمگلر متحرک ہوگئے۔ یہ سمگلر ہزاروں ڈالر کے عوض روہنگیا مسلمانوں کو کسی تیسرے ملک میں پہنچانے کا جھانسہ دیکر انہیں تھائی لینڈ کے ساحلی جنگل میں قائم خفیہ ٹھکانوں تک پہنچا دیتے ہیں

جہاں ان سے مزید رقم کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ رقم نہ ملنے پر انہیں جنگل میں قید کر دیا جاتا ہے‘ جہاں فاقہ کشی اور نا مساعد حالات کے ہاتھوں بہت سے قیدی جان کی بازی ہار جاتے ہیں۔ جبکہ مئی ۲۰۱۵ء میں ہی یہ روح فرسا انکشاف بھی ہوا کہ انڈونیشیا اور تھائی لینڈ کے سرحدی جنگلات میں ۳۰ سے زائد اجتماعی قبریں بھی دریافت ہوئی ہیں جن کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ یہ ان روہنگیا مسلمانوں کی قبریں ہیں جن کو انسانی اسمگلروں نے حکام سے بچنے کی خاطر موت کے گھاٹ اُتار دیا اور اجتماعی قبروں میں دفن کر دیا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ان قبروں میں تین سو سے زائد افراد کی میتیں دفن ہیں۔ تھائی لینڈ حکومت نے انسانی سمگلروں کے خلاف کارروائی کا آغاز کیا تو انہوں نے اپنا طریقہ کار تبدیل کر لیا۔ اب روہنگیا مسلمان کو تھائی حدود میں اتارنے کی بجائے سمندر میں کھڑی کشتیوں میں ہی محصور رکھا جاتا ہے۔ جو مسافر مزید تاوان ادا کرنے کے قابل ہوتے ہیں انہیں چھوٹی اور تیز کشتیوں کے ذریعے تھائی لینڈ‘ ملائشیا اور انڈونیشیا میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ باقی لوگ بھوکے پیاسے کھڑی کشتیوں میں پھنسے رہتے ہیں۔ جان کی بازی ہارنے والے سمندری مچھلیوں کی خوراک بن جاتے ہیں۔

اس سال تھائی لینڈ‘ ملائشیا اور انڈونیشیا کے حکام نے ایک اجلاس میں فیصلہ کیا کہ سمندر میں پھنسے روہنگیا مسلمانوں کو عارضی پناہ دی جائے اور پھر انہیں واپس بھجوا دیا جائے۔ لیکن میانمار حکومت نے اس کانفرنس میں شرکت سے انکار کر دیا۔ اس پر انسانی حقوق کی علمبردار مغربی اقوام میں سے کسی نے بھی میانمار حکومت کی مذمت نہیں کی۔ اسلامی دنیا نے بھی ان مظلوم مسلمانوں کی حالت زار پر غور کرنا گوارا نہیں کیا۔

☆ میانمار حکومت کی ڈھٹائی

برمی بودھوؤں کا اصل چہرہ تو کھل کر ساری دنیا کے سامنے آ گیا ہے۔ ان کا انتہائی جھوٹا پروپیگنڈا ہے کہ چونکہ مسلمان یہاں غیر قانونی طور پر ہجرت کر کے آئے ہیں اس وجہ سے انہیں خود کو ملک کا شہری کہنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ اپنے اس بے بنیاد پروپیگنڈے کو جواز بنا کر بار بار مسلمانوں کے خلاف میدان سجایا جاتا ہے تاکہ مسلمان تنگ آ کر اپنا آبائی وطن چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں۔ یہ برمی بودھوں کا حال ہے‘ جبکہ برمی حکومت اپنی ڈھٹائی اور بے شرمی میں بودھوؤں سے بھی دو قدم آگے نکل چکی ہے۔ میانمار کے صدر نے تو جولائی ۲۰۱۲ء میں میڈیا سے بات چیت کرتے ہوئے صاف الفاظ میں کہا تھا کہ ’’اس سارے مسئلے کا حل صرف یہی ہے کہ یا

تو مسلمانوں کو ملک بدر کیا جائے یا پھر انہیں مہاجر کیمپوں میں منتقل کیا جائے۔

اقوام متحدہ کی ایک اعلیٰ عہدیدار ’’نوی پلے‘‘ نے انتظامیہ کے سلوک و رویے کے حوالے سے بھی ایک رپورٹ دی کہ مقامی پولیس اور بدامنی پر قابو پانے کے لیے بھیجی جانے والی فوج بھی بے گناہ مسلمانوں کو ہی نشانہ بنا رہی ہے۔ پھر جولائی ۲۰۱۲ء میں برطانوی نشریاتی ادارے نے بنگلہ دیش کے کیمپوں میں مقیم روہنگیا مسلمانوں پر ایک رپورٹ شائع کی جس میں اکثر نے یہ دعویٰ کیا کہ ان کے عزیزوں اور رشتہ داروں کو میانمار کی فوج نے قتل کیا۔

اکتوبر ۲۰۱۲ء میں جب مسلم ممالک کی تنظیم او آئی سی نے مسلمانوں کی مدد کے لیے میانمار میں دفتر کھولنے کی اجازت طلب کی تو میانمار کے صدر نے نہ صرف اجازت دینے سے صاف انکار کر دیا بلکہ یہ بھی کہا کہ اس طرح کے دفاتر ’’لوگوں کی خواہشات‘‘ سے مطابقت نہیں رکھتے۔

ہیومن رائٹس واچ نے بارہا عالمی برادری کے سامنے بے شمار ٹھوس دستاویزی اور تصویری ثبوت پیش کیے اور اس ضمن میں اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل بان کی مون سے بھی اپیل کی کہ وہ تشدد روکنے میں اپنا کردار ادا کریں لیکن ساری کوششیں بے سود رہیں۔ دوسری جانب میانمار کی عالمی شہرت یافتہ رہنما اور امن کی نوبل انعام یافتہ ’’آنگ سانگ سوچی‘‘ نے مسلمانون کی نسل کشی پر بیان جاری کرنے پر انکار کر دیا۔ اس کا کہنا ہے ’’رہنما کو مسائل کی بنیاد دیکھے بغیر کسی خاص مقصد کے لیے کھڑے نہیں ہونا چاہیے‘‘۔ انسانی حقوق کی تمام تنظیموں نے اس پر شدید تنقید کا نشانہ بنایا اور کہا کہ انہیں اس قسم کے ردعمل پر سخت مایوسی ہوئی ہے۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل‘ ہیومن رائیٹس واچ اور اقوام متحدہ سمیت کئی عالمی اداروں نے حکومت سے غیر جانبدارانہ تحقیقات کا بارہا مطالبہ کیا ہے مگر ہمیشہ ٹال مٹول سے کام لیا جاتا رہا۔ ان عالمی اداروں کی کاوشوں سے فسادات کی تحقیقات کے لیے ۲۰۱۲ء میں مسلمانوں‘ بدھ‘ عالمی اور مقامی لوگوں پر مشتمل ایک کمیشن بھی تشکیل دیا گیا‘ مگر عین وقت پر میانمار کی حکومت نے اقوام متحدہ کی قیادت میں کمیشن کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

☆ روہنگیا مسلمانوں کی حالتِ زار

اقوام متحدہ نے اپنی ایک رپورٹ میں روہنگیا مسلمانوں کو ’’روئے عالَم کی مظلوم ترین اقلیت‘‘ قرار دے رکھا ہے۔ بنیادی انسانی حقوق تو دور کی بات‘ انہیں تو خود کو ملک کا شہری کہلانے کا حق بھی حاصل نہیں ہے۔ میانمار غالباً دنیا کا واحد ملک ہے جو محض مذہبی عناد کی وجہ

سے اپنے شہریوں کو شہری تسلیم کرنے سے انکاری ہے۔

برما کے قانون کے مطابق روہنگیا مسلمانوں کو برما کا شہری تسلیم نہیں کیا جاتا‘ جس کی وجہ سے روہنگیا مسلمان ملازمت‘ کاروبار‘ تعلیم اور دیگر سماجی سہولیات سے یکسر محروم ہیں۔ شادی سے پہلے حکومت سے اجازت لینا پڑتی ہے۔ دو سے زیادہ بچے پیدا کرنے پر پابندی ہے۔ روہنگیا مسلمانوں کا جانی و مالی نقصان کرنے پر برمی قانون میں کوئی سزا مقرر نہیں۔ ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں جانا ہو تو برمی پولیس کو بھاری رشوت دینا پڑتی ہے‘ جبکہ رنگون جانے کے لیے چار ہزار ڈالر رشوت کا بندوبست کرنا ہوتا ہے۔ تازہ ترین حکم نامہ یہ ہے کہ روہنگیا مسلم خاتون کو پابند کیا گیا ہے کہ ایک بچے سے دوسرے بچے کی پیدائش کے درمیان کم از کم تین سال کا وقفہ ہونا لازمی ہے۔

بودھوؤں کے ساتھ ساتھ میانمار حکومت کی پالیسی بھی اب کسی سے ڈھکی چھپی نہیں رہی۔ ایک جامع منصوبہ بندی کے تحت روہنگیا مسلمانوں سے ان کا آبائی وطن چھینا جا رہا ہے۔ اپنے مکروہ عزائم کی تکمیل کی خاطر میانمار حکومت اور بدھسٹ دونوں مل کر مسلمانوں کی نسل کشی میں مصروف ہیں۔ ان کو اپنے گھروں سے بے گھر کر دیا گیا ہے۔ کچھ کو زندہ جلایا گیا۔ کچھ ملک بدری کی حالت میں ہیں اور جن روہنگیا مسلمانوں کو کیمپوں میں منتقل کیا گیا ان کی املاک جلا دی گئی ہیں‘ ان کی زمینوں پر قبضہ کر لیا گیا ہے اور وہ کیمپوں میں اذیت ناک زندگی گزارنے پر مجبور کر دیے گئے ہیں۔ اگست ۲۰۱۲ء میں برطانوی ٹی وی چینل‘ چینل فور نے ایک دستاویزی رپورٹ نشر کی جس میں دکھایا گیا تھا کہ کس طرح مسلمان‘ کیمپوں میں جانوروں والی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ اس کے علاوہ رپورٹ میں قریباً ۱۰ ہزار مکانات کا ملبہ بھی دکھایا گیا‘ جس کے بعد اقوام متحدہ کے ادارہ برائے پناہ گزین نے اپنی رپورٹ جاری کی جس کے مطابق تشدد کی اس لہر میں کم از کم ۸۰ ہزار مسلمان اپنا گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔

میانمار حکومت نے انہیں رجسٹرڈ کرنے کی یہ شرط عائد کی ہے کہ وہ اپنے آپ کو روہنگیا مسلم نہیں بلکہ بنگلہ دیشی تارکین وطن قرار دے دیں تو انہیں برما کی شہریت دی جاسکتی ہے۔ لیکن روہنگیا مسلم اپنی شناخت چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اس طرح انہیں تیسرے درجے کا شہری بنایا جائے گا۔ وہ مسلمان جو صدیوں سے اراکان صوبے کے رہائشی ہیں انہیں مہاجرین کا درجہ دے دیا جائے گا اور اس طرح وہ اپنی ہی سرزمین پر اجنبی بن جائیں گے۔

☆مسلمانوں کی بے حسی

دنیا کی تاریخ میں کبھی مسلم اُمّہ پر اتنا ظلم نہیں ہوا ہو گا جتنا کہ اب ہو رہا ہے‘ مگر اسی قدر مسلمانوں کی بے حسی بھی بڑھتی جا رہی ہے۔

ان حالات میں روہنگیا مسلمان کہاں جائیں‘ کس سے منصفی چاہیں اور کس کو اپنے ہمدرد سمجھیں؟ قرآن کی تعلیم تو یہ ہے کہ جب تم پر زمین تنگ کر دی جائے تو ہجرت کر جاؤ! روہنگیائی مسلمان ہجرت کر کے بنگلہ دیش پہنچے‘ جہاں پر ان کا گولیوں کے ساتھ استقبال کیا گیا‘ کئی مر گئے‘ کچھ زخمی ہوئے‘ مگر مجال کہ کسی نے دنیا کے اس سوتیلے بچے کو جسے اس کا ملک بھی تسلیم نہیں کرتا‘ اپنانے میں حامی بھری ہو۔ انڈونیشیا‘ ملائشیا‘ تھائی لینڈ‘ سنگاپور‘ سری لنکا‘ کون سا ایسا ملک تھا جہاں انہوں نے رحم طلب نگاہوں سے پناہ کی اپیل نہ کی ہو۔ وہ بھارت گئے مگر وہاں بھی ردِعمل مختلف نہ تھا۔ بنگلہ دیش حکومت نے اپنا اصل رخ دکھایا اور جو پناہ گزیں بنگلہ دیش میں محصور تھے‘ انہیں فوری طور پر بنگلہ دیش سے نکل جانے کو کہا۔ یہ ساڑھے تین ہزار افراد خدا کے سہارے کشتیوں میں بیٹھ کر نکل پڑے کہ شاید کوئی ان پر مہربان ہو جائے۔ یہ سری لنکا پہنچے‘ پھر تھائی لینڈ‘ وہاں سے ملائشیا‘ وہاں سے انڈونیشیا‘ وہاں سے سنگاپور—— مگر دنیا کو اپنے بارڈر محفوظ بنانے سے غرض ہے۔

مسلم حکمرانوں میں ترکی کے وزیر اعظم رجب طیب اردگان اور ان کی اہلیہ نے پہلی بار وہاں کا دورہ کیا اور وہاں کے مسلمانوں سے اظہارِ یکجہتی کیا۔ اس موقع پر ترکی کی خاتونِ اول روہنگیا مسلمانوں کی حالت زار اور کسمپرسی کو دیکھ کر آبدیدہ ہو گئیں۔ پاکستان میں مذہبی جماعتوں کے احتجاج کے باعث حکومت پاکستان بھی حرکت میں آئی‘ وزیر اعظم پاکستان اور وفاقی وزیر داخلہ نے اس حوالے سے بیانات دیئے‘ جبکہ ایک اعلیٰ سطح کا اجلاس بھی منعقد کر کے روہنگیا مسلمانوں کے مسئلے کو عالمی سطح پر اُٹھانے اور ان کی مدد کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ دوسری جانب سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات بھی خواب غفلت سے جاگے اور انہوں نے بھی روہنگیا مسلمانوں کے لیے مالی امداد کا ارادہ کیا ہے۔ جبکہ گزشتہ روز سینٹ میں اس حوالے سے ایک متفقہ قرارداد بھی منظور کی گئی ہے۔ امیر جماعت اسلامی سراج الحق نے اسلام آباد میں اقوام متحدہ کے نمائندے سے ملاقات کی اور اس حوالے سے یادداشت پیش کی ہے۔

❁❁❁

1

اُمّتِ مُسلمہ کی زبوں حالی
اور
حکیم الاُمّت کی راہنمائی

حافظ عاکف سعید حفظہ اللہ

۲۱ اپریل ۲۰۱۵ء کو علامہ اقبال کے یومِ وفات کی مناسبت سے ایوانِ اقبال‘ لاہور میں ’’مرکزی مجلس اقبال‘‘ اور ’’اقبال اکیڈمی‘‘ کے اشتراک سے ایک تقریب منعقد ہوئی‘ جس میں امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید نے اپنا مقالہ پیش کیا۔ دیگر مقررین میں جناب مجیب الرحمٰن شامی‘ جناب اوریا مقبول جان‘ جناب عارف نظامی‘ جناب سجاد میر‘ جناب احمد جاوید اور ڈاکٹر سلیم مظہر شامل تھے۔

الحمد للّٰہ وکفٰی والصّلوۃ والسّلام علٰی عبادہِ الّذین الاصطفٰی‘ خصوصًا علٰی افضلھِم وخاتمَ النبیین مُحمدِ الامین وعلٰی آلِہٖ واَصحابہٖ اَجمعین‘ قال اللّٰہ تبارکَ وتعالٰی کَمَا وَرَدَ فِی سُورۃ آلِ عمران :

﴿وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۳۹﴾﴾

علامہ اقبال نے اپنے کلام میں ایک جگہ خود اپنے بارے میں فرمایا: ع ’’میں نہ عارف‘ نہ مجدد نہ محدث نہ فقیہ‘‘۔ اپنے بارے میں علامہ کا یہ فرمانا بلاشبہ کسرنفسی کی انتہا ہی قرار دیا جا سکتا ہے‘ لیکن میں اپنے بارے میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ میں نہ عالم ہوں‘ نہ دانشور ہوں‘ نہ مقرر ہوں اور نہ ہی خطیب ہوں۔ کلامِ اقبال سے شغف ضرور رکھتا ہوں‘ علامہ کے مداحین میں شامل ضرور ہوں‘ لیکن معروف معنوں میں اقبال شناس نہیں۔ میں اپنے نہایت محترم و مکرم بزرگ احمد جاوید صاحب کے حکم پر حاضر ہو گیا ہوں۔ ورنہ خود کو اس لائق نہیں سمجھتا تھا کہ یہاں آ کر لب کشائی کی جسارت کروں۔ بہر کیف اللہ سے دُعا کرتے ہوئے اور اس کی مدد اور توفیق کے

بھروسے پر کلامِ اقبال بلکہ پیغامِ اقبال کے بعض پہلو جو آج کے دَور میں میرے نزدیک اہم ہیں‘ آپ کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔ اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِھٰذَا!

علامہ اقبال کو بجا طور پر حکیم الامت کا لقب دیا گیا ہے۔ وہ محض ایک شاعر نہیں تھے۔ اگرچہ یہ ماننا پڑے گا کہ شاعرانہ اوصاف اور قدرتِ کلام کے حوالے سے بھی ان کا مقام بہت بلند تھا۔ لیکن انہوں نے اس خداداد صلاحیت کو مقصدیت کے قالب میں ڈھالا اور اسے قرآن حکیم کے مطالب اور اس کے ہمہ گیر انقلابی پیغام کے فروغ و اشاعت کا ذریعہ بنایا —— چنانچہ انہوں نے ع ’’قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں!‘‘ کے انداز میں قرآن مجید کی آیات میں غور و فکر کیا —— اس چشمۂ ہدایت سے فیض یاب اور سیراب ہو کر انہوں نے قرآن و حدیث کی بنیاد پر مسلم اُمت کے زوال و انحطاط اور زبوں حالی کے اسباب پر غور کیا اور ایک حاذق حکیم کی طرح نہ صرف زوالِ اُمت کی درست تشخیص کی بلکہ اسی چشمۂ ہدایت سے رہنمائی لیتے ہوئے اس کے تدارک کے طور پر اس کا علاج بھی تجویز کیا‘ مزید برآں اپنے انقلاب آفرین پیغام کے ذریعے اُمتِ مسلمہ میں ایک نئی روح پھونک دی۔ وہ فرماتے ہیں:

اِک ولولۂ تازہ دیا میں نے دلوں کو لاہور سے تا خاکِ بخارا و سمرقند!

اُمت کی نشاۃِ ثانیہ‘ یا یوں کہیے کہ احیاءِ اُمت کے حوالے سے علامہ اقبال کی خدمات بے پناہ اور ہمہ جہت ہیں۔ لیکن یہ بھی ایک المیہ ہے کہ قوم کی عظیم اکثریت نے انہیں ایک شاعر ہی سمجھا‘ ان کے پیغام کو سمجھنے اور اسے حرزِ جاں بنانے کی کوشش بہت ہی کم رہی۔ یہ وہ تلخ حقیقت ہے جس کا اِدراک علامہ کو بھی تھا۔ حضور رسالت مآب ﷺ کی جناب میں ان کی یہ فریاد واقعی تڑپا دینے والی ہے کہ:

من اے میرِ اُمم داد از تو خواہم مرا یاراں غزل خوانے شمردند!

پیغامِ اقبال کی ناقدری کے حوالے سے آج کا یہ دور پستی کی انتہاؤں کو چھو رہا ہے۔

اس حوالے سے علامہ کی روح آج جس کرب کا شکار ہو گی اس کا ہم اندازہ نہیں کر سکتے۔ علامہ کو ایک قومی ہیرو اور مشاہیر کی فہرست میں تو شامل کیا جاتا ہے لیکن اُن کے افکار اور پیغام کو‘ جس کی آج ہمیں بے انتہا ضرورت ہے‘ بدقسمتی سے سکولوں اور کالجوں کے نصاب سے کھرچنے کا سرکاری سطح پر اہتمام ہو رہا ہے‘ جبکہ مسندِ اقتدار پر بیٹھنے والے آج بھی زبانی کلامی اقبال کے گن گا رہے ہوتے ہیں —— لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں‘ جن اقدار

کوفروغ آج دیا جا رہا ہے‘ جن چیزوں کو ملکی ترقی کی بنیاد قرار دے کر اہمیت دی جا رہی ہے‘ وہ اقبال کے پیغام سے مکمل طور پر متصادم ہیں —— میں اس تلخ نوائی پر معذرت خواہ ہوں‘ یہ میرا آج کا براہِ راست موضوع نہیں ہے‘ لیکن جب بات آ ہی گئی ہے تو علامہ ہی کے دو اشعار اس حوالے سے پیش کرنے کی جسارت کروں گا۔ فرماتے ہیں:

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری!

آج ہم پاکستانی قوم کی ترقی کے لیے اقبال کی اس ہدایت کو پاؤں تلے روندتے ہوئے قومی ترقی کے لیے اقوامِ مغرب ہی سے تمام اصول اور اپنے لیے تمام تر راہِ عمل مستعار لے رہے ہیں اور اسی پر عمل پیرا ہیں۔

ابھی بات ہو رہی تھی کہ علامہ اقبال محض ایک شاعر نہیں تھے —— میرے والد محترم ڈاکٹر اسرار احمد ؒ کو علامہ اقبال سے ایک نوع کی روحانی نسبت حاصل تھی —— والد محترم خود بہت بڑے داعی الی القرآن بلکہ عاشق قرآن تھے۔ وہ علامہ اقبال کی قرآن شناسی اور ان کے فکر دین کی ہمہ گیریت اور گہرائی کے بہت مداح اور معترف تھے۔ وہ فکر دین کے احیاء کے حوالے سے علامہ اقبال کو مجدد کا مقام دیتے تھے اور خود کو ’’یکے از رگہائے سازِ اقبال‘‘ قرار دیتے تھے۔ اپنے لیے یہ عنوان انہوں نے علامہ ہی کے ایک فارسی شعر سے اخذ کیا ہے —— زبورِ عجم (حصہ دوم) کی ایک نظم انہیں بہت پسند تھی‘ بالخصوص اس کا پہلا شعر وہ اکثر اپنے خطابات میں کیف کے عالم میں سنایا کرتے تھے:

خضرِ وقت از خلوتِ دشتِ حجاز آید بروں
کارواں زیں وادیٔ دُور و دراز آید بروں

اسی نظم کے آخری شعر میں علامہ فرماتے ہیں:

چنگ را گیرید از دستم کہ کار از دست رفت
نغمہ اَم خون گشت و از رگہائے ساز آید بروں!

اپنے لیے ’’یکے از رگہائے سازِ اقبال‘‘ کا عنوان انہوں نے اسی شعر سے اخذ کیا ہے۔

والد محترمؒ نے علامہ اقبال کے بارے میں اپنی کتاب ’’علامہ اقبال اور ہم‘‘ کے آغاز میں

مسلمانانِ پاکستان پر علامہ اقبال کے جو احسانات ہیں‘ ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

’’میرے نزدیک پاکستان میں بسنے والا ہر مسلمان‘ قطع نظر اس سے کہ وہ عوام میں سے ہو یا خواص میں سے‘ اور بالکل ان پڑھ اور جاہل ہو یا عالم و فاضل‘ علامہ مرحوم کے ساتھ سہ گانہ و سہ گونہ رشتوں میں منسلک ہے:

ایک یہ کہ یہ مملکت خداداد سرزمین پاکستان‘ جس میں ہم ایک آزاد اور خود مختار قوم کی حیثیت سے اقامت گزیں ہیں‘ اس کا وجود و قیام علامہ ہی کے تخیل و تصور کا رہین منت ہے —— دوسرے یہ کہ وہ عالمی ملت اسلامی اور اُمت مرحومہ جس سے ہم سب منسلک ہیں‘ اس دور میں اس کی عظمت و سطوتِ پارینہ کا سب سے بڑا مرثیہ خواں بھی اقبال ہے اور اس کے احیاء و نشاۃ ثانیہ کا سب سے بڑی حدی خواں بھی اقبال ہی ہے —— تیسرے یہ کہ وہ دین حق جس کے ہم سب نام لیوا ہیں اور جس کے بارے میں علامہ اقبال سے کچھ ہی پہلے مولانا حالیؔ مرحوم نے کہا تھا:

جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے — پردیس میں وہ آج غریب الغرباء ہے!

اس دَور میں خصوصاً تعلیم یافتہ طبقے میں اس دین کے اسرار و رموز کا سب سے بڑا رازداں بھی اقبال ہی ہے اور اس کی روح باطنی اور جسد ظاہری دونوں کے تجدید و احیاء کے عظیم ترین نقیب کی حیثیت بھی اقبال ہی کو حاصل ہے۔‘‘

والد محترمؒ کے بیان کردہ آخری نکتہ کے حوالے سے میں یہ عرض کروں گا کہ روحِ دین اور نظام دین دونوں کی آج کے دور میں بہترین تعبیر و تشریح علامہ اقبال نے کی ہے اور بلا شک وشبہ قرآن و سنت جو ہمارے اصل منابع علم ہیں‘ انہی کی بنیاد پر کی ہے —— شاعری کو تو انہوں نے محض ذریعہ اظہار بنایا ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اظہار بہت مؤثر اور خوبصورت انداز میں ہوا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ وہ بیک وقت عاشق قرآن بھی تھے اور عاشق رسول بھی۔

علامہ کو نہ صرف اس بات کا اِدراک تھا بلکہ ان کا دعویٰ بھی یہ تھا کہ انہوں نے اپنے کلام میں قرآن ہی کو بیان کیا ہے۔ انہیں اس حوالے سے اتنا اعتماد تھا کہ انہوں نے اس حوالے سے اپنے کلام میں خود اپنے لیے بددعا تجویز کی ہے کہ اگر مجھ سے اس معاملے میں کوتاہی ہوئی ہو تو قیامت کے دن مجھے خوار و رسوا کر دینا۔ ان کے یہ اشعار تڑپا دینے والے ہیں کہ ؎

گر دلم آئینۂ بے جوہر است — ور بحرفم غیرِ قرآں مضمر است
پردۂ ناموسِ فکرم چاک کن — ایں خیاباں را ز خارم پاک کن
روزِ محشر خوار و رسوا کن مرا! — بے نصیب از بوسۂ پا کن مرا!

3

مختصر یہ کہ علامہ اقبال کے پوری ملتِ اسلامیہ اور بالخصوص مسلمانانِ پاکستان پر اتنے ہمہ جہت احسانات ہیں کہ ان کے حوالے سے کوئی ایک عنوان کافی نہیں —— وہ بیک وقت مصور و مبشرِ پاکستان بھی ہیں، عالمی ملتِ اسلامیہ کے حدی خواں بھی ہیں، اور عالمی نشاۃِ ثانیہ کے نقیب بھی ہیں، وہ فکرِ اسلامی کے مجدد بھی ہیں اور ایک عظیم داعیٔ قرآن بھی ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ان کے لیے ایک جامع عنوان ''حکیم الامت'' تجویز کیا گیا۔

میں آج کی اس محفل میں ایک خاص مسئلے کے حوالے سے حکیم الامت کی دی ہوئی تفصیلی رہنمائی کی طرف توجہ دلانا چاہوں گا جس کے حوالے سے آج سے سو سال پہلے کے مسلمانوں کے ذہن بھی پراگندہ خیالی کا شکار تھے اور آج بھی اس حوالے سے شدید انتشارِ فکری میں مبتلا ہیں —— اور جس کی وجہ سے ایک عام مایوسی اور بددلی مسلمانوں میں پھیلی ہوئی ہے۔

وہ مسئلہ یا سوال کیا ہے؟ ایک شعر میں امتِ مسلمہ کے حوالے سے یہ سوال بڑی عمدگی سے سمویا گیا ہے۔

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند   گستاخیٔ فرشتہ ہماری جناب میں!

یہ سوال سب سے پہلے مرزا غالب نے اٹھایا تھا۔ پھر مولانا حالی نے اس سوال کو یوں الفاظ کا جامہ پہنایا:

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے   اسلام کا گر کر نہ اُبھرنا دیکھے
مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جزر کے بعد   دریا کا ہمارے جو اُترنا دیکھے!

سادہ الفاظ میں سوال یہ بنتا ہے کہ مسلمان تو اُس خدائے واحد کے ماننے والے اور زمین پر اس کے حقیقی نمائندے ہیں جو کُل کائنات کا خالق و مالک، کائنات کا بادشاہِ حقیقی اور عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہے۔ پھر ہم وہ لوگ ہیں جو محبوب ربّ العالمین ﷺ کے اُمتی ہیں۔ آپؐ سے عشق کا دم بھرتے ہیں۔ پھر کیا سبب ہے کہ اللہ کی اس زمین میں ہم ہی ذلیل و خوار ہیں؟ ہم آج اتنے کمزور و ناتواں کیوں ہیں؟ نہ صرف عقل و منطق یہ تقاضا کرتی ہے کہ اس زمین کا اقتدار اور یہاں عزت و وجاہت مسلمانوں کو ملنی چاہیے بلکہ اللہ کا وعدہ بھی ہے کہ ﴿وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝﴾ —— یعنی آخرت کی کامیابی تو سچے مسلمانوں کو ملنی ہی ہے، دنیا میں بھی سربلندی اور عزت و اقتدار مسلمانوں ہی کو ملے گا —— پھر اللہ کا وہ وعدہ کیا ہوا؟

یہ سوال آج بھی اتنا ہی تازہ اور حقیقی ہے جتنا آج سے ڈیڑھ سو سال قبل تھا۔ اس دوران

اگرچہ وہ اِستعماری دَور ختم ہوا جسے ''Colonial Rule'' کہا جاتا ہے۔ مسلمان ٹکڑوں کی صورت میں آزاد ہوتے چلے گئے اور ایک ملت اسلامیہ کی بجائے بے شمار مسلم ممالک وجود میں آتے چلے گئے —— لیکن دنیا میں حقیقی غلبہ واقتدار، عزت و وجاہت سے ہم یکسر محروم ہیں۔ ہمارے عقیدے کے مطابق زمین اللہ کی ہے، وہی اس کا خالق و مالک ہے، لیکن عملاً دنیا میں سارا کنٹرول آج ابلیسی قوتوں کے ہاتھ میں ہے۔ اور ہم انہی کی dictation پر چلتے، انہی کے مفادات کو serve کرتے ہیں، جبکہ کفر کی قوتیں غالب ہیں، قدم قدم پر مسلمانوں کو ذلیل کرتی ہیں۔ کبھی نبی اکرم ﷺ کے توہین آمیز خاکوں کے ذریعے، کبھی قرآن کو جلا کر اور کہیں قرآن کے نسخوں کے ساتھ انتہائی توہین آمیز رویے کے ذریعے —— ہم انہی اسلام دشمن قوتوں کے قرضوں پر پلتے ہیں اور معاشی غلامی میں جکڑے ہوئے ہیں۔ دنیا میں ہر جگہ مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں، دنیا میں قوت و اختیار اللہ کے ہاتھ میں نہیں، کافر قوتوں کے ہاتھ میں نظر آتا ہے —— الٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟

یہ محض ایک لمحۂ فکریہ ہی نہیں ہے۔ یہ سوال ہمارے ایمان بالغیب کی جڑوں کو ہلا دینے والا ہے —— زبان سے اس کا اظہار کریں تو کفر کا فتویٰ لگنے کا اندیشہ ہے۔ لیکن ہر سوچنے سمجھنے والے مسلمان کے ذہن میں یہ سوالات کلبلاتے ہیں۔

علامہ اقبال نے ۱۹۱۱ء میں اس مسئلے کو بہت خوبصورتی سے ایڈریس کیا۔ اپنی مشہور نظم ''شکوہ'' میں انہوں نے برصغیر کے مسلمانوں کے احساسات کی ترجمانی اس انداز سے کی کہ ہر دردمند مسلمان کو یوں لگا کہ ؎

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے!

علامہ نے اس نظم میں بڑی بے باکی کے ساتھ مسلمانانِ ہند کے جذبات و احساسات کو بیان کیا۔ آغاز ہوتا ہے:

کیوں زیاں کار بنوں، سود فراموش رہوں؟   فکرِ فردا نہ کروں، محوِ غمِ دوش رہوں
نالے بلبل کے سنوں، اور ہمہ تن گوش رہوں   ہمنوا! میں بھی کوئی گل ہوں کہ خاموش رہوں؟
جرأت آموز مری تابِ سخن ہے مجھ کو
شکوہ اللہ سے، خاکم بدہن، ہے مجھ کو

ہے بجا شیوۂ تسلیم میں مشہور ہیں ہم
قصہ درد سناتے ہیں کہ مجبور ہیں ہم

ساز خاموش ہیں' فریاد سے معمور ہیں ہم
نالہ آتا ہے اگر لب پہ' تو معذور ہیں ہم

اے خدا! شکوۂ اربابِ وفا بھی سن لے
خوگر حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سن لے!

اس کے بعد علامہ اقبال نے مسلم امہ کی تاریخ کے حوالے سے مسلمانوں کی اللہ اور رسول سے وفاداری اور اللہ کے کلمہ کی سربلندی کی خاطر جان ومال کی قربانیوں کا تفصیل سے ذکر کیا۔ قلتِ وقت کی وجہ سے میں اس پورے حصے کو چھوڑ رہا ہوں۔ انہی میں ایک مشہور شعر زبان زدِ خاص وعام ہے۔

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے!

مزید کہتے ہیں:

صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا ہم نے
نوعِ انساں کو غلامی سے چھڑایا ہم نے

ترے کعبے کو جبینوں سے بسایا ہم نے
تیرے قرآن کو سینوں سے لگایا ہم نے

پھر بھی ہم سے یہ گلہ ہے کہ وفادار نہیں
ہم وفادار نہیں' تو بھی تو دلدار نہیں!

'شکوہ' کا یہ شعر بہت اہم ہے:

رحمتیں ہیں تری اغیار کے کاشانوں پر
برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر!

شکوہ وشکایت میں علامہ یہاں تک چلے گئے کہ

کبھی ہم سے کبھی غیروں سے شناسائی ہے
بات کہنے کی نہیں تو بھی تو ہرجائی ہے

جس پر بعض علماء نے ظاہر الفاظ کو دیکھتے ہوئے سخت فتوے بھی لگائے' لیکن عوام کو یہ شکوہ بہت پسند آیا' کیونکہ ان کے احساسات کی صحیح ترجمانی تھی۔ شکوہ نظم کے اختتام پر علامہ دعا بھی کرتے ہیں:

مشکلیں اُمت مرحوم کی آساں کر دے
مورِ بے مایہ کو ہم دوشِ سلیماں کر دے!

علامہ کے ذہن میں اس حوالے سے اصل میں اُمت کی رہنمائی مقصود تھی۔ اور ''جوابِ شکوہ'' کا مضمون بھی علامہ کے ذہن میں موجود تھا۔ قرآن وسنت کی روشنی میں اس کا جواب دے کر اُمت کو اپنی اصلاح پر آمادہ کرنا ان کے پیشِ نظر تھا۔ چنانچہ دو سال کے بعد جو مواد اس حوالے سے علامہ کے ذہن میں تھا وہ گویا اشعار کی ایک بارش کی صورت میں ''جوابِ شکوہ'' کے نام سے منصۂ شہود پر آیا' جو انہوں نے موچی گیٹ لاہور کے باہر وسیع

میدان میں ایک جلسے میں سنایا۔ پہلی نظم ''شکوہ'' بانگِ درا کے ساڑھے دس صفحات پر مشتمل ہے' جبکہ دوسری نظم ''جوابِ شکوہ'' ۱۲ صفحات پر۔ جوابِ شکوہ فی الواقع قرآن وسنت کی تعلیمات کی بہترین عکاسی ہے۔ بلاشبہ یہ اس قابل ہے کہ سارا ہی پڑھا اور پڑھایا جائے' بالخصوص نوجوان نسل کو سبقاً سبقاً پڑھایا جائے۔ چند اشعار بطور نمونہ پیش خدمت ہیں۔

پہلی نظم شکوہ میں علامہ نے اپنے اسلاف کے جو کارنامے گنوائے تھے کہ ہم نے یہ کیا اور فلاں فلاں قربانیاں دیں اور اسلام کے پرچم کو چہار دانگِ عالم میں بلند کیا وغیرہ' اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اقبال بے لاگ تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

تھے تو آباء وہ تمہارے ہی' مگر تم کیا ہو؟
ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظرِ فردا ہو!

آج کے مسلمانوں کی نالائقی اور دین سے دوری کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

کس قدر تم پہ گراں صبح کی بیداری ہے
ہم سے کب پیار ہے؟ ہاں نیند تمہیں پیاری ہے

طبعِ آزاد پہ قیدِ رمضاں بھاری ہے
تم ہی کہہ دو یہی آئینِ وفاداری ہے؟

قوم مذہب سے ہے' مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذبِ باہم جو نہیں محفلِ انجم بھی نہیں

اسی طرح فرماتے ہیں:

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں' جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود؟

مزید فرماتے ہیں:

یوں تو سید بھی ہو' مرزا بھی ہو' افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو' بتاؤ تو مسلمان بھی ہو؟

مسلمانوں کی دین سے دُوری یعنی اللہ اور رسول ﷺ سے عملی بے وفائی اور عملی زوال کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر ازبر ہو
پھر پسر قابلِ میراثِ پدر کیوں کر ہو!

ہر کوئی مست مئے ذوقِ تن آسانی ہے
تم مسلماں ہو' یہ اندازِ مسلمانی ہے؟

آج اُمتِ مسلمہ کے سب سے بڑے جرم کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہوکر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہوکر!

یہ بات واضح کرنے کے بعد کہ اصل میں اللہ نے ہم سے بے وفائی یا عہد شکنی نہیں کی' ہم نے اللہ سے بے وفائی کی ہے' لہٰذا آج ہمیں اپنے طرزِ عمل کو درست کرنا ہوگا — جوابِ شکوہ

میں نہایت امید افزا پیغامِ عمل دیتے ہیں‘ بڑے ہی خوبصورت انداز میں:

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا   آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

مزید فرماتے ہیں:

ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانے سے   پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

جوابِ شکوہ کا یہ شعر بھی بہت اہم ہے:

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے   نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

اس شعر میں اصل اشارہ امت کی اجتماعی ذمہ داری کی طرف ہے‘ کہ تم اس ذمہ داری کو ادا کرو‘ اللہ تمہیں دنیا میں عزت و سربلندی عطا فرمائے گا۔

آخری حصے کے چند اہم اشعار‘ جن میں امت کے لیے نہایت امید افزا پیغام بھی ہے اور دعوتِ عمل بھی:

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمدؐ سے اجالا کر دے
عقل ہے تیری سپر‘ عشق ہے شمشیر تری
مرے درویش‘ خلافت ہے جہانگیر تری
ماسوا اللہ کے لیے آگ ہے تکبیر تری
تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری
کی محمدﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا‘ لوح و قلم تیرے ہیں!

میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس لائحہ عمل کو اختیار کرنے کی ہمیں اور ہمارے حکمرانوں کو توفیق عطا فرمائے۔ اُمت مسلمہ کے لیے واحد لائحہ عمل یہی ہے جس کے ذریعے وہ دنیا و آخرت دونوں میں سرخرو ہو سکتی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ آج ہر سطح پر علامہ کے اس پیغام کو عام کیا جائے اور اس پر عمل درآمد کے لیے سنجیدہ اور ٹھوس اقدامات کیے جائیں۔ بالخصوص اسے نوجوان نسل کے نصاب کا لازمی حصہ بنایا جائے۔

میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے میری طویل گفتگو کو صبر و تحمل کے ساتھ سنا‘ جزاکم اللہ اَحْسَنُ الْجَزَاءِ!

وآخر دعوانا انِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ!

قرآن فہمی بذریعہ خط و کتابت کورسز

گھر بیٹھے قرآن کی ابدی تعلیمات سے آگاہی اور عربی زبان کے بنیادی قواعد سیکھنے کا

نادر موقع!

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام اپنی نوعیت کے 3 منفرد

خط و کتابت کورسز میں داخلے جاری ہیں:

۱) قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی

قرآن کی ابدی ہدایت سے استفادے کے نقطۂ نگاہ سے یہ نہایت مفید اور مؤثر کورس ہے۔ اس کورس کے لیے اعانتی مواد مطبوعہ شکل میں بھی دستیاب ہے‘ اور کمپیوٹر CD کی صورت میں بھی۔

۲) عربی گرامر خط و کتابت کورس (III,II,I)

قرآن و حدیث کی زبان یعنی عربی سے واقفیت کے لیے اس کے قواعد کو جاننا بہت ضروری ہے۔ عربی گرامر کورس مرکزی انجمن کی شائع کردہ کتاب آسان عربی گرامر کے تین حصوں پر مشتمل ہے۔ جس میں عربی گرامر کے تقریباً تمام ضروری قواعد کا احاطہ کیا گیا ہے۔

۳) ترجمہ قرآن حکیم کورس

یہ کورس خصوصی طور پر نوجوان طلبہ و طالبات کے لیے ترتیب دیا گیا ہے جنہیں قرآنی الفاظ کے معانی براہِ راست سمجھائے اور یاد کرائے جاتے ہیں اور اس طرح آیاتِ قرآنی کا مفہوم سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

داخلہ کے خواہش مند حضرات پراسپکٹس کے حصول اور دیگر معلومات کے لئے درج ذیل پتے پر رجوع فرمائیں

ناظم شعبہ خط و کتابت کورسز

قرآن اکیڈمی‘ 36۔ کے‘ ماڈل ٹاؤن لاہور‘ فون: 03-35869501

Email: distancelearning@tanzeem.org

دورۂ ترجمۂ قرآن — **ڈاکٹر اسرار احمد**

سُوْرَۃُ الْاَنْبِیَاء

تمہیدی کلمات

سورۂ مریم کے آغاز میں تمہیدی کلمات کے تحت تین سورتوں پر مشتمل اس ذیلی گروپ کا تعارف ہو چکا ہے، جس کی آخری سورت سورۃ الانبیاء ہے۔

آیات ۱ تا ۱۰

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۝۱ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ
مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝۲ لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاَسَرُّوا
النَّجْوَى ڰ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ڰ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ
تُبْصِرُوْنَ ۝۳ قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۡ وَهُوَ السَّمِيْعُ
الْعَلِيْمُ ۝۴ بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۢ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ښ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ
كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۝۵ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ
يُؤْمِنُوْنَ ۝۶ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْــَٔـلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ
كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۷ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا
خٰلِدِيْنَ ۝۸ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَاۗءُ وَاَهْلَكْنَا
الْمُسْرِفِيْنَ ۝۹ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۱۰

آیت ۱ ﴿اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۝۱﴾ ’’لوگوں کے لیے ان کے حساب کا وقت قریب آ چکا ہے، لیکن وہ غفلت میں پڑے اعراض کیے جا رہے ہیں۔‘‘

آیت ۲ ﴿مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝۲﴾ ’’نہیں آتی ان کے پاس ان کے ربّ کی طرف سے کوئی نئی نصیحت مگر یہ اس کو سنتے ہیں کھیلتے ہوئے۔‘‘

جب بھی ان کی طرف کوئی نئی وحی آتی ہے، کوئی نئی سورت نازل ہوتی ہے تو وہ اسے اپنے مخصوص لا ابالیانہ انداز میں ہی سنتے ہیں۔ وہ اللہ کے کلام کی طرف کبھی بھی سنجیدگی سے متوجہ نہیں ہوتے۔

آیت ۳ ﴿لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ۭ﴾ ’’ان کے دل کھیل کے خوگر ہو چکے ہیں۔‘‘

ان کا غیر سنجیدہ رویہ اس حد تک ان کے دلوں میں گھر کر گیا ہے کہ انہوں نے زندگی کو بھی ایک کھیل ہی سمجھ رکھا ہے۔

﴿وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ڰ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ڰ﴾ ’’اور یہ ظالم خفیہ طور پر سرگوشیاں کرتے ہیں‘‘

﴿هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ﴾ ’’کہ نہیں ہیں یہ (محمدﷺ) مگر تمہاری ہی طرح کے ایک انسان۔‘‘

رسول اللہﷺ سے کلام اللہ سن کر اگر ان کا کوئی ساتھی متاثر ہوتا تو اسے الگ لے جا کر بڑے ناصحانہ انداز میں سمجھاتے کہ ارے تم خواہ مخواہ اپنے جیسے ایک انسان کو اللہ کا رسول اور اس کی باتوں کو اللہ کا کلام سمجھ رہے ہو۔ اس کی باتوں پر سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

﴿اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝۳﴾ ’’تو کیا تم جانتے بوجھتے جادو میں پڑنے جا رہے ہو؟‘‘

تم جانتے بھی ہو کہ یہ کلام وغیرہ سب جادو کا کمال ہے۔ تو کیا تم جانتے بوجھتے ہوئے اس کا شکار ہونے جا رہے ہو؟ ان کی اس طرح کی سرگرمیوں کی خبریں حضورﷺ تک بھی پہنچتی تھیں۔ آپؐ کو یقیناً اس سے بہت صدمہ پہنچتا ہوگا کہ اگر کوئی اللہ کا بندہ ہدایت قبول کرنے پر آمادہ ہوا تھا تو اس کو پھر ورغلا کر بھٹکا دیا گیا ہے۔ چنانچہ آپﷺ ان کے آپس کے شیطانی مشوروں کا سنتے تو یوں فرماتے:

آیت ۴ ﴿قٰلَ رَبِّیْ یَعْلَمُ الْقَوْلَ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ز وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ④﴾ ’’رسولؐ نے کہا کہ میرا رب جانتا ہے ہر اُس بات کو جو آسمان اور زمین میں ہے‘ اور وہ سب کچھ سننے والا‘ سب کچھ جاننے والا ہے۔‘‘

آیت ۵ ﴿بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ م﴾ ’’بلکہ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ (کلام) پریشان خیالات ہیں‘‘

کبھی وہ کہتے کہ یہ اللہ کا کلام تو ہرگز نہیں ہے‘ بلکہ محمد (ﷺ) سوتے میں خواب دیکھتے ہیں اور خوابوں کے پراگندہ خیالات پر مبنی باتیں لوگوں کو سناتے رہتے ہیں۔

﴿بَلِ افْتَرٰىهُ﴾ ’’بلکہ اس نے خود گھڑ لیا ہے‘‘

کبھی کہتے کہ یہ کلام تو خود ان کا اپنا گھڑا ہوا ہے مگر یہ غلط طور پر اسے اللہ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔

﴿بَلْ ھُوَ شَاعِرٌ ج﴾ ’’بلکہ یہ تو شاعر ہے۔‘‘

کبھی کہتے کہ خداداد شاعرانہ صلاحیت کی بنا پر ان پر آمد ہوتی ہے اور یوں یہ کلام ترتیب پاتا ہے۔

﴿فَلْیَاْتِنَا بِاٰیَةٍ کَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ⑤﴾ ’’تو اسے چاہیے کہ وہ لائے ہمارے پاس کوئی معجزہ جیسے (معجزات کے ساتھ) پہلے رسولوں کو بھیجا گیا تھا۔‘‘

اور کبھی کہتے کہ اگر یہ واقعتاً اللہ کے رسول ہیں تو پھر پہلے رسولوں کی طرح ہمیں کوئی معجزہ دکھائیں۔

آیت ۶ ﴿مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَھُمْ مِّنْ قَرْیَةٍ اَھْلَکْنٰھَا ج﴾ ’’نہیں ایمان لائی کوئی بستی ان سے پہلے جس کو ہم نے ہلاک کیا۔‘‘

ان سے پہلے بہت سے رسولوں کو حسّی معجزات دیے گئے تھے جو انہوں نے اپنی قوموں کو دکھائے‘ مگر ان میں سے کوئی ایک قوم یا کوئی ایک بستی بھی ایسی نہیں تھی جو ان معجزات کو دیکھ کر ایمان لائی ہو۔ چنانچہ وہ لوگ واضح معجزات کو دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے اور آخرکار ہلاکت ہی ان کا مقدر بنی۔

﴿اَفَھُمْ یُؤْمِنُوْنَ ⑥﴾ ’’تو کیا یہ لوگ (کوئی معجزہ دیکھ کر) ایمان لے آئیں گے؟‘‘

آیت ۷ ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَکَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْھِمْ فَسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ⑦﴾ ’’اور (اے نبی ﷺ!) ہم نے نہیں بھیجا آپ سے پہلے مگر مردوں ہی کو (بطور رسول)‘ ان کی طرف ہم وحی کرتے تھے‘ تو (اے قریشِ مکہ!) تم اہلِ ذکر سے پوچھ لو اگر تمہیں معلوم نہیں۔‘‘

آیت کے پہلے حصے میں خطاب رسول اللہ ﷺ سے ہے‘ مگر بعد میں خطاب کا رخ ان لوگوں کی طرف ہو گیا ہے جو کہتے تھے کہ یہ تو ہماری طرح کے انسان ہیں‘ ہم ان کی بات کیسے مان لیں؟ ان لوگوں سے کہا جا رہا ہے کہ یہ کوئی پہلے رسول نہیں ہیں۔ آپؐ سے پہلے بھی بہت سے رسول آئے‘ وہ سب بھی انسان ہی تھے۔ وہ انسانوں ہی کی طرح پیدا ہوئے (سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے)۔ وہ انسانوں ہی کی طرح کھاتے پیتے اور دوسری ضروریاتِ زندگی پوری کرتے تھے۔ یہ بات اگر تمہاری سمجھ سے بالاتر ہے تو تمہارے اردگرد اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ موجود ہیں۔ تم لوگ ان سے پوچھ لو کہ پہلے رسول انسان تھے یا وہ کسی مافوق الفطرت مخلوق سے تعلق رکھتے تھے؟

آیت ۸ ﴿وَمَا جَعَلْنٰھُمْ جَسَدًا لَّا یَاْکُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا کَانُوْا خٰلِدِیْنَ ⑧﴾ ’’ہم نے ان (رسولوں) کے لیے ایسا جسم نہیں بنایا تھا کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ ہی وہ ہمیشہ (زندہ) رہنے والے ہوتے تھے۔‘‘

پہلے جو انبیاء آئے تھے وہ سب عام انسانوں کی طرح کھاتے پیتے تھے اور ان میں سے کوئی بھی ابدی زندگی لے کر نہیں آیا تھا۔ چنانچہ ان میں سے ہر ایک پر موت کا مرحلہ بھی آیا۔

آیت ۹ ﴿ثُمَّ صَدَقْنٰھُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَیْنٰھُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ﴾ ’’پھر ہم نے ان کے ساتھ کیا گیا وعدہ سچ کر دکھایا‘ پھر انہیں اور (ان کے ساتھ) جسے چاہا اسے نجات دی‘‘

ہم نے نوح علیہ السلام اور ان کے ماننے والوں کو سیلاب کی آفت سے محفوظ رکھا۔ ہود علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں کو امان بخشی۔ صالح علیہ السلام اور ان پر ایمان والوں کو نجات دی۔ شعیب علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو بچایا۔ لوط علیہ السلام اور ان کی بیٹیوں کو مغضوب و معتوب بستیوں سے بحفاظت نکالا اور موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بنی اسرائیل کو سمندر میں سے بچ نکلنے کا راستہ دیا۔ یوں ہم نے ہر مرتبہ اپنے رسولوں اور اہل ایمان کے ساتھ کیے گئے وعدے کو نبھایا۔

﴿وَاَھْلَکْنَا الْمُسْرِفِیْنَ ⑨﴾ ’’اور حد سے بڑھنے والوں کو ہم نے ہلاک کر دیا۔‘‘

آیت ۱۰ ﴿لَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ کِتٰبًا فِیۡهِ ذِکۡرُکُمۡ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۰﴾﴾ ''(اے لوگو!) اب ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب نازل کر دی ہے' اس میں تمہارا ذکر ہے۔ تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟''

یہاں ''ذِکۡرُکُمۡ'' کے دو ترجمے ہو سکتے ہیں' ایک تو یہ کہ اس میں تمہارے حصے کی نصیحت اور تعلیم ہے (یعنی ذِکۡرٌ لَکُمۡ) اور دوسرا یہ کہ ''اس میں تمہارا اپنا ذکر بھی موجود ہے''۔ اس دوسرے مفہوم کی وضاحت ایک حدیث سے ملتی ہے' جس کے راوی حضرت علی ؓ ہیں۔ آپؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَلَا اِنَّهَا سَتَکُوۡنُ فِتۡنَةٌ)) ''آگاہ ہو جاؤ! عنقریب ایک بہت بڑا فتنہ رونما ہوگا'' فَقُلۡتُ: مَا الۡمَخۡرَجُ مِنۡهَا یَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ؟ ''تو میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ اُس سے نکلنے کا راستہ کون سا ہوگا؟'' یعنی اس فتنے سے بچنے کی سبیل کیا ہوگی؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ((کِتَابُ اللّٰهِ، فِیۡهِ نَبَأُ مَا کَانَ قَبۡلَکُمۡ وَخَبَرُ مَا بَعۡدَکُمۡ وَحُکۡمُ مَا بَیۡنَکُمۡ))(۱) ''اللہ کی کتاب! اس میں تم سے پہلے لوگوں کی خبریں بھی ہیں' تمہارے بعد آنے والوں کے احوال بھی ہیں اور تمہارے باہمی مسائل و اختلافات کا حل بھی ہے''۔ ان معانی میں یہاں ذِکۡرُکُمۡ سے مراد یہی ہے کہ تمہارے ہر دور کے تمام مسائل کا حل اس کتاب کے اندر موجود ہے۔ میں اپنے ذاتی تجربے کی بنیاد پر کہہ سکتا ہوں کہ آج بھی ہمیں ہر قسم کی صورتِ حال میں قرآن مجید سے راہنمائی مل سکتی ہے۔

آیات ۱۱ تا ۱۵

وَكَمۡ قَصَمۡنَا مِنۡ قَرۡيَةٍ كَانَتۡ ظَالِمَةً وَّاَنۡشَاۡنَا بَعۡدَهَا قَوۡمًا اٰخَرِيۡنَ ۝ فَلَمَّاۤ اَحَسُّوۡا بَاۡسَنَاۤ اِذَا هُمۡ مِّنۡهَا يَرۡكُضُوۡنَ ۝ لَا تَرۡكُضُوۡا وَارۡجِعُوۡۤا اِلٰى مَاۤ اُتۡرِفۡتُمۡ فِيۡهِ وَمَسٰكِنِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تُسۡـَٔـلُوۡنَ ۝ قَالُوۡا يٰوَيۡلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيۡنَ ۝ فَمَا زَالَتۡ تِّلۡكَ دَعۡوٰٮهُمۡ حَتّٰى جَعَلۡنٰهُمۡ حَصِيۡدًا خٰمِدِيۡنَ ۝

آیت ۱۱ ﴿وَکَمۡ قَصَمۡنَا مِنۡ قَرۡیَةٍ کَانَتۡ ظَالِمَةً﴾ ''اور کتنی ہی بستیوں کو ہم نے پیس

(۱) سنن الترمذی' ابواب فضائل القرآن' باب ما جاء فی فضل القرآن۔ وسنن الدارمی' کتاب فضائل القرآن' باب فضل من قرأ القرآن۔

ڈالا جو ظالم تھیں''

ان کے باسی گنہگار' سرکش اور نافرمان تھے۔ چنانچہ انہیں سزا کے طور پر نیست و نابود کر دیا گیا۔

﴿وَّاَنۡشَاۡنَا بَعۡدَهَا قَوۡمًا اٰخَرِیۡنَ ﴿۱۱﴾﴾ ''اور پھر ان کے بعد ہم نے اٹھا کھڑا کیا دوسری قوموں کو۔''

جیسے قومِ نوحؑ کے بعد قومِ عاد کو موقع ملا اور قومِ عاد کے بعد قومِ ثمود نے عروج پایا اور اسی طرح یہ سلسلہ آگے چلتا رہا۔

آیت ۱۲ ﴿فَلَمَّاۤ اَحَسُّوۡا بَاۡسَنَاۤ﴾ ''پھر جب انہیں محسوس ہوا ہمارا عذاب''

جب عذاب کے آثار ظاہر ہونا شروع ہو گئے اور انہیں احساس ہو گیا کہ اب واقعی عذاب آنے والا ہے تو:

﴿اِذَا هُمۡ مِّنۡهَا یَرۡکُضُوۡنَ ﴿۱۲﴾﴾ ''تو اس سے بھاگنے لگے۔''

آیت ۱۳ ﴿لَا تَرۡکُضُوۡا وَارۡجِعُوۡۤا اِلٰی مَاۤ اُتۡرِفۡتُمۡ فِیۡهِ وَمَسٰکِنِکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تُسۡـَٔلُوۡنَ ﴿۱۳﴾﴾ ''(اس وقت انہیں کہا گیا:) اب بھاگو مت اور واپس جاؤ اپنے سامانِ تعیش اور محلات کی طرف' شاید کہ وہاں تمہیں پوچھا جائے۔''

شاید وہاں تمہیں اپنا کوئی پُرسانِ حال یا خبر گیری کرنے والا مل جائے۔

آیت ۱۴ ﴿قَالُوۡا یٰوَیۡلَنَاۤ اِنَّا کُنَّا ظٰلِمِیۡنَ ﴿۱۴﴾﴾ ''انہوں نے کہا: ہائے ہماری شامت! ہم تو خود ہی ظالم تھے۔''

چونکہ اس وقت تک حقیقت ان پر منکشف ہو چکی تھی اس لیے انہوں نے بڑی حسرت سے اعتراف کیا کہ حق کو جھٹلا کر اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کا ارتکاب کر کے انہوں نے خود ہی اپنی جانوں پر ستم ڈھایا تھا۔

آیت ۱۵ ﴿فَمَا زَالَتۡ تِّلۡکَ دَعۡوٰىهُمۡ حَتّٰی جَعَلۡنٰهُمۡ حَصِیۡدًا خٰمِدِیۡنَ ﴿۱۵﴾﴾ ''پھر وہ بار بار یہی کہتے رہے' یہاں تک کہ ہم نے کر دیا انہیں کٹی ہوئی کھیتی اور راکھ کی مانند۔''

حَصِیۡد کے معنی کٹی ہوئی کھیتی کے ہیں' جبکہ خَامِدِیۡنَ سے مراد یہ ہے کہ وہ بجھی ہوئی آگ کی طرح ہو گئے۔ یعنی ان کی آبادیاں ایسی ویران ہوئیں کہ زندگی کی کوئی رمق وہاں نظر نہ آتی تھی۔

آیات ۱۶ تا ۲۹

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿١٦﴾ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا
لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿١٧﴾ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ
فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۭ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ﴿١٨﴾ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ۭ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿١٩﴾
يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ﴿٢٠﴾ اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ
يُنْشِرُوْنَ ﴿٢١﴾ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ
عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿٢٢﴾ لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ﴿٢٣﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ
اٰلِهَةً ۭ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ ۭ بَلْ
اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٢٤﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ
رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿٢٥﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ
وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ۭ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴿٢٦﴾ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ
يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٧﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ
ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿٢٨﴾ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّىْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ
فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٩﴾

آیت ۱۶ ﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿١٦﴾﴾ ''اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ اُن دونوں کے مابین ہے' کھیل کے لیے نہیں بنایا ہے۔''

یعنی ہم نے یہ دنیا کھیل تماشے اور شغل کے لیے نہیں بنائی ہے۔ ہماری ہر تخلیق بامقصد اور اٹل قوانین پر مبنی ہے۔ اسی طرح دنیا میں قوموں کے عروج و زوال کے بارے میں بھی ''سُنّت اللہ'' اور قواعد وضوابط بالکل غیر مبدّل اور ناقابلِ تغیر ہیں۔

آیت ۱۷ ﴿لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿١٧﴾﴾ ''اگر ہم چاہتے کہ کوئی کھیل بنائیں تو وہ ضرور ہم اپنے پاس سے بنا لیتے' اگر ہم یہ کرنے والے ہی ہوتے۔''

آیت ۱۸ ﴿بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۭ﴾ ''بلکہ ہم حق کو دے مارتے ہیں باطل پر تو وہ اس کا بھیجا نکال دیتا ہے' تو جبھی وہ نابود ہو جاتا ہے۔''

یہ تاریخ انسانی کا قرآنی فلسفہ ہے۔ دوسری طرف ایک نظریہ سپنگلر کا بھی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ قوموں کی زندگی ایک فرد کی زندگی سے مشابہ ہے۔ جس طرح ایک بچہ پیدا ہوتا ہے' بچپن گزارتا ہے' جوانی کو پہنچتا ہے' بوڑھا ہوتا ہے اور پھر مر جاتا ہے' ایسے ہی دنیا میں قومیں اور ان کی تہذیبیں پیدا ہوتی ہیں' ترقی کرتی ہیں' بامِ عروج پر پہنچتی ہیں' اور پھر کمزوریوں اور خرابیوں کے باعث زوال پذیر ہو کر ختم ہو جاتی ہیں۔ اس ضمن میں کارل مارکس نے جو Dialectical Materialism کا نظریہ (وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو الرعد: ۱۷ کی تشریح) پیش کیا ہے' وہ بھی اپنی جگہ اہم ہے۔

بہرحال آیت زیر نظر میں جو فلسفہ دیا گیا ہے اس کے مطابق دنیا میں حق و باطل کی کشمکش مسلسل جاری ہے۔ ایک طرف ابلیس' اس کی نسل اور اس کے ایجنٹ ہیں' جبکہ دوسری طرف اللہ تعالیٰ کے نیک بندے' انبیاء و رسل' صدیقین' شہداء اور مؤمنین صادقین ہیں۔ قرآن کے اس فلسفہ کو اقبال نے اس طرح بیان کیا ہے: ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی

مشیتِ الٰہی سے کبھی کبھی یہ کشمکش دھماکہ خیز ہو کر باقاعدہ ایک معرکے کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ ایسے مواقع پر اللہ تعالیٰ طالبانِ حق کی مدد کرتا ہے اور اُن کی طاقت کے ذریعے باطل کو کچل کر رکھ دیتا ہے۔

حق و باطل کا ایسا ہی ایک بہت خوفناک معرکہ قربِ قیامت کے زمانے میں ہونے والا ہے۔ یہ جنگوں کا ایک طویل سلسلہ ہوگا جس کو عیسائی روایات میں Armageddon جبکہ احادیث میں ''المَلحمة العُظمٰی'' کا نام دیا گیا ہے۔ علامہ اقبال نے مستقبل کے اس معرکے کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے: ؎

دنیا کو ہے پھر معرکۂ روح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو اُبھارا
اللہ کو پامردیٔ مؤمن پہ بھروسہ
ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

یہاں علامہ اقبال نے لفظ ’’تہذیب‘‘ کے ذریعے اسی مخصوص ذہنیت اور سوچ کی طرف اشارہ کیا ہے جس کے تحت فرعون نے اپنے عوام کو ’’طَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى‘‘ کے نام پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف اُبھارنے کی کوشش کی تھی کہ اس وقت تمہارے مثالی تہذیب وتمدن کو بڑا خطرہ درپیش ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کو جب بھی منظور ہوتا ہے کوئی تحریک یا کوئی جمعیت حق کی علمبردار بن کر کھڑی ہو جاتی ہے اور باطل اس سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتا ہے۔ علامہ اقبال کے الفاظ میں ایسی ہی قوم یا جماعت اللہ کے دست قدرت کی وہ تلوار ہے جس سے وہ باطل کا قلع قمع کرتا ہے: ؎

صورتِ شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب!

لیکن یہ مقامِ رفیع صرف وہی قوم حاصل کر سکتی ہے جو قدم قدم پر خود اپنا احتساب کرنے کی پالیسی پر عمل پیرا ہو۔

﴿وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ⑱﴾ ’’اور تمہارے لیے تباہی ہے اس کی وجہ سے جو تم لوگ بیان کر رہے ہو۔‘‘

آیت ۱۹ ﴿وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ﴾ ’’اور اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔‘‘

﴿وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ⑲﴾ ’’اور جو (ملائکہ مقربین) اس کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر (کی بنا پر گریز) نہیں کرتے اور نہ ہی وہ سستی کرتے ہیں۔‘‘

آیت ۲۰ ﴿يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ⑳﴾ ’’وہ رات دن (اس طرح اس کی) تسبیح میں لگے ہوئے ہیں کہ تھکتے نہیں ہیں۔‘‘

آیت ۲۱ ﴿اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ㉑﴾ ’’کیا انہوں نے زمین میں کچھ ایسے معبود بنا لیے ہیں جو نشوونما دیتے ہیں؟‘‘

کیا ان کا خیال ہے کہ وہ ان باطل معبودوں کی نظر کرم سے دنیا میں خوب پھلیں پھولیں گے اور ترقی کی اعلیٰ منازل طے کر لیں گے؟

آیت ۲۲ ﴿لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ﴾ ’’اگر ان دونوں (زمین و آسمان) کے اندر اللہ کے سوا کوئی اور معبود بھی ہوتے تو لازماً یہ دونوں فساد سے بھر جاتے۔‘‘

اس کائنات کا نظم و ضبط زبانِ حال سے گواہی دے رہا ہے کہ یہ ایک وحدت (Unitary System) ہے۔ اس کا مدبر و منتظم ایک ہی ہے اور اس کے انتظام میں ایک سے زیادہ آراء کی تعمیل و تنفیذ کا کوئی امکان نہیں ہے۔ جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا گیا: ﴿قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِي الْعَرْشِ سَبِيْلًا ㊷﴾ ’’آپ (ان سے) کہیے کہ اگر اللہ کے ساتھ دوسرے معبود ہوتے جیسا کہ یہ کہتے ہیں تب تو وہ ضرور تلاش کرتے صاحبِ عرش کی طرف کوئی راستہ‘‘۔ اس سے یہ دلیل بھی نکلتی ہے کہ کوئی بھی ادارہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کا سربراہ ایک ہی ہونا چاہیے اور اگر کسی ادارے کے ایک سے زیادہ سربراہ ہوں گے تو اس کا نظم و نسق تباہ ہو جائے گا۔ یہی مثال مرد کی قوامیت کی دلیل بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ خاندان جیسا اہم اور حساس ادارہ ایک جیسے اختیارات کے حامل دو سربراہوں کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ سربراہ ایک ہی ہونا چاہیے تو پھر اس کا زیادہ حق دار مرد ہی ہے' کیونکہ قرآن کے فرمان کے مطابق مرد ہی ’’قوام‘‘ ہے: ﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ﴾ (النساء: ۳۴) ’’مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس بنا پر کہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس لیے بھی کہ وہ اپنا مال خرچ کرتے ہیں‘‘۔ ہمارے ہاں ملکی سطح پر زیادہ تر انتظامی مسائل پارلیمانی نظامِ حکومت میں اختیارات کی ثنویت (duality) کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس نظام میں سربراہِ مملکت اور سربراہِ حکومت کے عہدے الگ الگ ہیں۔ ان دو عہدوں کے درمیان اختیارات کی تقسیم اصولی طور پر ممکن ہی نہیں۔ چنانچہ اگر وزیراعظم بااختیار ہو گا تو صدر کے عہدے کی حیثیت لازمی طور پر نمائشی ہو گی اور اگر صدر فعال ہو گا تو وزیراعظم کٹھ پتلی بن کر رہ جائے گا۔ اس کے مقابلے میں صدارتی نظام منطقی اور توحیدی نظام ہے جس میں ایک ہی شخصیت سربراہِ مملکت بھی ہے اور سربراہِ حکومت بھی۔

﴿فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ㉒﴾ ’’تو اللہ جو عرش کا مالک ہے وہ ان باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بناتے ہیں۔‘‘

آیت ۲۳ ﴿لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ﴿۲۳﴾﴾ ''وہ جو کچھ کرتا ہے اس سے جوابدہی نہیں ہو سکتی اور ان سب کی جوابدہی ہو گی۔''

آیت ۲۴ ﴿اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ۭ﴾ ''کیا انہوں نے اُس کے سوا دوسرے معبود بنا لیے ہیں؟''

﴿قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ﴾ ''آپ کہیے کہ لاؤ اپنی دلیل!''

﴿هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ ۭ﴾ ''یہ (قرآن) ذکر ہے ان لوگوں کا بھی جو میرے ساتھ ہیں اور ان کا بھی جو مجھ سے پہلے تھے۔''

﴿بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۴﴾﴾ ''بلکہ ان میں سے اکثر لوگ حق کو نہیں پہچانتے' اس لیے وہ اعراض کر رہے ہیں۔''

آیت ۲۵ ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿۲۵﴾﴾ ''اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اُس کی طرف یہی وحی کرتے تھے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں' پس میری ہی بندگی کرو۔''

آیت ۲۶ ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ۭ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۲۶﴾﴾ ''اور انہوں نے کہا کہ رحمٰن نے (کسی کو اپنا) بیٹا بنا لیا۔ وہ پاک ہے (اس سے)' بلکہ وہ اس کے مکرم بندے ہیں۔''

جس کسی کو بھی یہ لوگ اللہ کی اولاد قرار دیتے ہیں' وہ فرشتے ہوں' انبیاء ہوں یا اولیاء اللہ' سب اس کے مقرب بندے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے بندوں کی حیثیت سے اپنے ہاں باعزت مقام عطا کیا ہے: ﴿اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ﴾ (یونس: ۲) ''یقیناً ان کے لیے ہے سچائی کا مرتبہ ان کے رب کے پاس۔''

آیت ۲۷ ﴿لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾﴾ ''وہ سبقت نہیں کرتے اس سے بات میں' اور وہ اس کے حکم ہی کی تعمیل کرتے ہیں۔''

فرشتے اللہ تعالیٰ کے آگے بڑھ کر بات نہیں کرتے۔ وہ اللہ کے احکام کے منتظر رہتے ہیں اور اس کے ہر فرمان کی تعمیل کرتے ہیں۔

آیت ۲۸ ﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ﴾ ''وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے سامنے

ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے''

﴿وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿۲۸﴾﴾ ''اور وہ شفاعت نہیں کریں گے سوائے اس کے جس کے لیے وہ راضی ہوگا' اور وہ تو خود اس کے خوف سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔''

آیت ۲۹ ﴿وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّىْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ۭ﴾ ''اور جو کوئی بھی (بالفرض) ان میں سے کہے کہ میں الٰہ ہوں اللہ کے سوا' تو اسے ہم بدلہ دیں گے جہنم کا۔''

﴿كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾﴾ ''اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں ظالموں کو۔''

آیات ۳۰ تا ۴۱

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۭ
وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاۗءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۭ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ
رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ ۠ وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝
وَجَعَلْنَا السَّمَاۗءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ښ وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ
خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝ وَمَا جَعَلْنَا
لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۭ اَفَا۟ئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ۝ كُلُّ نَفْسٍ ذَاۗىِٕقَةُ
الْمَوْتِ ۭ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۭ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ۝ وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْٓا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ۭ اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ
الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ۭ سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَلَا
تَسْتَعْجِلُوْنِ ۝ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ لَوْ يَعْلَمُ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا
هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ
يُنْظَرُوْنَ ۝ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ
مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝

آیت ۳۰ ﴿اَوَلَمۡ يَرَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ كَانَتَا رَتۡقًا فَفَتَقۡنٰهُمَا ؕ﴾

’’کیا دیکھا نہیں ان کافروں نے کہ آسمان اور زمین بند تھے پھر ہم نے ان کو کھول دیا!‘‘

یعنی شدید گرمی اور حبس کی صورتِ حال جس میں لوگوں کی جان پر بنی ہوئی ہوتی ہے۔ اس کیفیت میں بظاہر یوں محسوس ہوتا ہے کہ آسمان کے دروازے بھی بند ہیں‘ زمین کے سوتے بھی خشک ہیں‘ بارش کا دور دور تک کوئی امکان نہیں‘ ہر طرف خشک سالی کا راج ہے اور پھر یکا یک اللہ کی رحمت سے یہ صورتِ حال تبدیل ہو جاتی ہے۔ آسمان کے دہانے کھل جاتے ہیں اور بارش کے پانی سے زمین پر نباتاتی اور حیواناتی زندگی کی چہل پہل شروع ہو جاتی ہے۔

اس کے علاوہ اس آیت میں یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ Big Bang کے بعد مادے کا جو ایک بہت بڑا گولا وجود میں آیا تو وہ ایک یک جا وجود (Homogenous mass) کی صورت میں تھا۔ پھر مادے کے اس گولے میں تقسیم ہوئی‘ مختلف ستاروں اور سیاروں کے گچھے بنے‘ کہکشائیں (Galaxies) وجود میں آئیں‘ سورج اور اس کے سیاروں کی تخلیق ہوئی‘ اور یوں ہماری زمین بھی پیدا ہوئی۔ گویا اس سارے تخلیقی عمل کا اظہار اس ایک فقرے میں ہو گیا کہ آسمان اور زمین بند تھے‘ یعنی باہم ملے ہوئے تھے اور ہم نے انہیں کھول دیا‘ جدا کر دیا۔

﴿وَجَعَلۡنَا مِنَ الۡمَآءِ كُلَّ شَىۡءٍ حَىٍّ ؕ﴾ ’’اور ہم نے پانی سے ہر جاندار شے کو بنایا!‘‘

یہاں پر خَلَقۡنَا کے بجائے جَعَلۡنَا فرمایا۔ زمین کے اوپر زندگی جس کسی شکل میں بھی ہے‘ چاہے وہ نباتاتی حیات ہو یا حیوانی‘ ہر جاندار چیز کا مادۂ تخلیق مٹی اور مبدأ حیات پانی ہے۔ مٹی (تُراب) اور پانی مل کر گارا (طِین) بنا۔ پھر یہ طِینٍ لَّازِب میں تبدیل ہوا۔ پھر اس نے حمأٍ مسنون کی شکل اختیار کی۔ اس کے بعد صلصالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مسنون کا مرحلہ آیا۔ پھر صلصالٍ کالفخّار بنا۔ (اس سلسلے میں سورۃ الحجر‘ آیت ۲۶ کی تشریح بھی مدنظر رہے)۔ گویا مٹی سے ہر جاندار چیز کی تخلیق ہوئی اور ان سب کی زندگی کا دارومدار پانی پر رکھا گیا۔ چنانچہ ہر جاندار کے لیے مبدأ حیات پانی ہے۔

﴿اَفَلَا يُؤۡمِنُوۡنَ ۝۳۰﴾ ’’تو کیا (یہ سب کچھ جان لینے کے بعد بھی) یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے؟‘‘

آیت ۳۱ ﴿وَجَعَلۡنَا فِى الۡاَرۡضِ رَوَاسِىَ اَنۡ تَمِيۡدَ بِهِمۡ ۖ﴾ ’’اور ہم نے زمین میں مضبوط پہاڑ جما دیے تا کہ وہ انہیں لے کر (ایک طرف) جھک نہ جائے‘‘

﴿وَجَعَلۡنَا فِيۡهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمۡ يَهۡتَدُوۡنَ ۝۳۱﴾ ’’اور ہم نے اس کے اندر بڑے کشادہ راستے بنائے تا کہ یہ لوگ راہ یاب ہوں۔‘‘

میدانی راستوں کے علاوہ بڑے بڑے پہاڑی سلسلوں کے اندر بھی قدرتی راستے رکھے اور وادیاں بنائیں تا کہ ایسے علاقوں میں بھی لوگوں کے لیے سفر کرنا ممکن ہو سکے۔

آیت ۳۲ ﴿وَجَعَلۡنَا السَّمَآءَ سَقۡفًا مَّحۡفُوۡظًا ۖۚ وَّهُمۡ عَنۡ اٰيٰتِهَا مُعۡرِضُوۡنَ ۝۳۲﴾ ’’اور ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنا دیا‘ لیکن یہ لوگ اس (آسمان) کی نشانیوں کو دھیان میں نہیں لاتے۔‘‘

اس سے پہلے یہ مضمون سورۃ الحجر میں اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿وَلَقَدۡ جَعَلۡنَا فِى السَّمَآءِ بُرُوۡجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيۡنَ ۝۱۶ وَحَفِظۡنٰهَا مِنۡ كُلِّ شَيۡطٰنٍ رَّجِيۡمٍ ۝۱۷﴾ ’’اور ہم نے آسمان میں برج بنائے ہیں اور اسے مزین کر دیا ہے دیکھنے والوں کے لیے اور ہم نے حفاظت کی ہے اس کی ہر شیطان مردود سے‘‘۔ یعنی آسمانِ دنیا پر جو ستارے ہیں وہ باعث زینت بھی ہیں‘ لیکن دوسری طرف یہ شیاطین جن کے لیے میزائل سنٹر بھی ہیں۔ ان میں سے جو کوئی بھی اپنی حدود سے تجاوز کر کے غیب کی خبروں کی ٹوہ میں عالَم بالا کی طرف جانے کی کوشش کرتا ہے اس پر شہابِ ثاقب کی شکل میں میزائل داغا جاتا ہے اور یوں ان شیاطین کی پہنچ کے حوالے سے آسمان کو سَقۡفًا مَّحۡفُوۡظًا کا درجہ دے دیا گیا ہے۔

اب تک کی سائنسی تحقیقات کے حوالے سے سَقۡفًا مَّحۡفُوۡظًا کے دو پہلو اور بھی ہیں۔ ان میں سے ایک تو O-Zone Layer کی فراہم کردہ حفاظتی چھتری ہے جس نے پورے کرۂ ارض کو ڈھانپ رکھا ہے اور یوں سورج سے نکلنے والی تمام مضر شعاعوں کو زمین تک آنے سے روکنے کے لیے یہ فلٹر کا کام کرتی ہے (ماحولیاتی سائنس کے ماہرین آج کل اس کے بارے میں بہت فکرمند ہیں کہ مختلف انسانی سرگرمیوں کی وجہ سے اسے نقصان پہنچ رہا ہے اور یہ بتدریج کمزور ہوتی جا رہی ہے)۔ اس کے ساتھ ساتھ ہماری فضا (زمین کے اوپر کُرّۂ ہوائی) بھی حفاظتی چھت کا کام دیتی ہے۔ خلا میں تیرنے والے چھوٹی بڑی جسامتوں کے بے شمار پتھر (یہ پتھر یا پتھر نما ٹھوس اجسام مختلف ستاروں یا سیاروں میں ہونے والی ٹوٹ پھوٹ کے نتیجے

میں ہر وقت خلا میں بکھرے رہتے ہیں) جب کرۂ ہوائی میں داخل ہوتے ہیں تو اپنی تیز رفتاری کے سبب ہوا کی رگڑ سے جل کر فضا میں ہی تحلیل ہو جاتے ہیں اور یوں زمین ان کے نقصانات سے محفوظ رہتی ہے۔

آیت ۳۳ ﴿وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ﴾ ''اور وہی ہے جس نے پیدا کیا رات' دن' سورج اور چاند کو۔''

﴿كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ۝۳۳﴾ ''یہ سب کے سب اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں۔''

آیت ۳۴ ﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) آپ سے پہلے ہم نے کسی انسان کے لیے دوام نہیں رکھا۔''

﴿اَفَا۟ئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ۝۳۴﴾ ''تو اگر آپؐ فوت ہو گئے تو یہ لوگ کیا ہمیشہ رہیں گے؟''

آپ ﷺ کے یہ مخالفین ابوجہل' ابولہب وغیرہ ہمیشہ کی زندگیاں لے کر تو نہیں آئے۔ ان سب کو ایک دن مرنا ہے اور ہمارے سامنے پیش ہونا ہے۔

آیت ۳۵ ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ﴾ ''ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔''

﴿وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَیْرِ فِتْنَةً ؕ﴾ ''اور ہم آزماتے رہتے ہیں تم لوگوں کو شر اور خیر کے ذریعے سے۔''

اس دنیا میں تمہاری آزمائش کے لیے تم لوگوں کو ہم مختلف قسم کی کیفیات سے دوچار کرتے رہتے ہیں۔ خیر و شر اور خوشی و غم کے بارے میں تم لوگوں کے اپنے پیمانے اور اپنے معیارات ہیں اور اسی مناسبت سے ان کیفیات کے بارے میں تمہارے منفی یا مثبت تاثرات ہوتے ہیں' مگر ضروری نہیں کہ حقیقت بھی تمہارے ہی تاثرات کے مطابق ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم لوگ جسے شر سمجھتے ہو وہ حقیقت میں خیر ہو اور جو چیز تمہارے نقطہ نظر سے خیر ہے وہ اصل میں شر ہو — سورۃ البقرۃ میں فرمایا گیا: ﴿وَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْـًٔا وَّهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَیْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۲۱۶﴾ ''اور ہو سکتا ہے کہ تم کسی شے کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو۔ اور ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو درآنحالیکہ وہی تمہارے لیے بری ہو۔ اور اللہ جانتا ہے' تم نہیں جانتے'' — بہرحال دنیا میں پیش آنے والے

اچھے برے یہ حالات تمہاری آزمائش کے لیے ہیں۔

﴿وَاِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ ۝۳۵﴾ ''اور تم سب لوگ ہماری ہی طرف لوٹا دیے جاؤ گے۔''

آیت ۳۶ ﴿وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ یَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) یہ کافر لوگ جب بھی آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کا مذاق اڑاتے ہیں۔''

یہ مشرکین مختلف انداز میں آپؐ پر استہزائیہ فقرے کستے ہیں' آپؐ کو دیکھتے ہیں تو ایک دوسرے سے مخاطب ہو کر اس طرح آپؐ کا تمسخر اڑاتے ہیں:

﴿اَهٰذَا الَّذِیْ یَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ﴾ ''کیا یہ ہے وہ شخص جو تمہارے معبودوں کا ذکر کرتا ہے؟''

یعنی کہتا ہے کہ ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ اور اس طرح ان کی شان میں گستاخی کا ارتکاب کرتا ہے!

﴿وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۳۶﴾ ''اور وہ خود رحمٰن کے ذکر سے منکر ہیں۔''

انہیں تو اپنے معبودوں کا ذکر اچھا لگتا ہے۔ لات و عزیٰ کا ذکر ہو تو یہ لوگ خوش ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ان کے دل بجھ جاتے ہیں۔

آیت ۳۷ ﴿خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ﴾ ''انسان بنایا گیا ہے عُجلت سے۔''

یعنی انسان کی خلقت میں عجلت پسندی رکھی گئی ہے۔ عجلت پسندی انسان کی سرشت میں داخل ہے۔ اس حوالے سے یہ نکتہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ انسان کی ذات یا شخصیت کے دو حصے ہیں۔ ایک حصہ مادی' جسمانی یا حیوانی ہے جس کی تخلیق زمین یعنی مٹی سے ہوئی ہے۔ اس مادی وجود میں بہت سی کمزوریاں اور کوتاہیاں رکھی گئی ہیں۔ سورۃ النساء کے یہ الفاظ اس حقیقت پر شاہد ہیں: ﴿وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا ۝۲۸﴾ کہ بنیادی طور پر انسان کمزور اور ضعیف پیدا کیا گیا ہے۔ انسانی ذات کا دوسرا پہلو روحانی ہے۔ انسانی روح چونکہ نور سے پیدا کی گئی ہے اس لیے اس کا یہ پہلو بہت بلند اور ارفع ہے۔ اسی پہلو کے بارے میں سورۃ التین میں فرمایا گیا ہے: ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝۴﴾ ''ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا ہے''۔ گویا اصل انسان تو وہ روح ہی ہے جو انسانی تخلیق کے مرحلہ اوّل (وضاحت کے لیے الانعام: ۹۴ کی تشریح ملاحظہ ہو) میں اَحْسَنِ تَقْوِیْم کی کیفیت میں پیدا کی گئی۔ اس ''نور'' کو پھر اس انسانی جسم کے اندر رکھا گیا جو مٹی سے بنا ہے۔ اور اسی وجہ سے اس میں بہت سی کمزوریاں پائی جاتی ہیں

جن میں سے ایک کمزوری یہ بھی ہے کہ وہ فطری اور جبلی طور پر عجلت پسند ہے۔

﴿سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ۝۳۷﴾ ’’جلد ہی میں تمہیں اپنی نشانیاں دکھا دوں گا‘ پس تم لوگ مجھ سے جلدی نہ مچاؤ۔‘‘

کیا عجب کہ تمہارے عذاب کے بارے میں وعیدوں کے پورا ہونے کا وقت قریب ہی آ لگا ہو۔

آیت ۳۸ ﴿وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۳۸﴾ ’’اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر آپؐ سچے ہیں؟‘‘

اس سے مراد عذاب آنے یا معجزہ دکھانے کا وعدہ ہے۔

آیت ۳۹ ﴿لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝۳۹﴾ ’’کاش! ان کافروں کو معلوم ہوتا (اس وقت کے بارے میں) جب وہ آگ کو ہٹا نہ سکیں گے اپنے چہروں سے اور نہ ہی اپنی پیٹھوں سے‘ اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی۔‘‘

آیت ۴۰ ﴿بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ﴾ ’’بلکہ وہ (قیامت) ان پر اچانک آئے گی اور انہیں مبہوت کر دے گی‘‘

یعنی ان کے ہوش کھو دے گی۔ یہ وہی لفظ (ب ہ ت) ہے جو البقرہ: ۲۵۸ میں نمرود کے بارے میں آیا ہے: ﴿فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ۭ﴾ ’’تو (یہ سن کر) وہ کافر ہکا بکا رہ گیا۔‘‘

﴿فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝۴۰﴾ ’’تو نہ ان کی استطاعت ہو گی اس (قیامت یا عذاب) کو ٹالنے کی اور نہ ہی انہیں کوئی مہلت ملے گی۔‘‘

آیت ۴۱ ﴿وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ﴾ ’’اور (اے نبی ﷺ!) آپ سے پہلے جو رسول آئے تھے ان کا بھی مذاق اڑایا گیا تھا‘‘

لہٰذا آپؐ اس صورتِ حال کو برداشت کیجیے اور صبر کا دامن تھام کر اپنا فرض ادا کرتے رہیے۔

﴿فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۴۱﴾ ’’تو پھر گھیر لیا ان میں سے مذاق اڑانے والوں کو اسی (عذاب) نے جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔‘‘

پھر جب اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق عذابِ موعود آیا تو ان مذاق اڑانے والوں کو نیست و نابود کر کے نَسْيًا مَّنْسِيًّا کر دیا گیا۔

آیات ۴۲ تا ۵۰

قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ۭ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ
مُّعْرِضُوْنَ ۝۴۲ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ۭ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ
وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ۝۴۳ بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَاۗءِ وَاٰبَاۗءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ
الْعُمُرُ ۭ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۭ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝۴۴
قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ڮ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَاۗءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ۝۴۵ وَلَىِٕنْ
مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝۴۶ وَنَضَعُ
الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْــــًٔا ۭ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ
حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ۭ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ۝۴۷ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ
الْفُرْقَانَ وَضِيَاۗءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۴۸ۙ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ
السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ۝۴۹ وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ۭ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝۵۰ۧ

آیت ۴۲ ﴿قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ۭ﴾ ’’آپؐ ان سے پوچھیے کہ کون تمہاری حفاظت کرتا ہے رات دن رحمٰن کی طرف سے؟‘‘

یعنی اللہ تعالیٰ ہی نے تمہارے لیے محافظ (Body guards) مقرر کر رکھے ہیں۔ یہ مضمون دو مرتبہ اس سے پہلے بھی آ چکا ہے۔ سورۃ الانعام: ۶۱ میں فرمایا گیا: ﴿وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۭ﴾ کہ وہ فرشتوں کی صورت میں تمہارے لیے محافظ مقرر کرتا ہے۔ سورۃ الرعد: ۱۱ میں ارشاد ہوا: ﴿لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ۭ﴾ ’’اس (انسان) کے لیے باری باری آنے والے (پہرے دار) ہیں‘ وہ اس کے سامنے اور اس کے پیچھے سے اس کی حفاظت کرتے رہتے ہیں اللہ کے حکم سے‘‘۔ مراد یہ ہے کہ جب تک اللہ کو منظور ہوتا ہے وہ موت سے یا مصائب و حادثات سے خود انسان کی حفاظت کرتا ہے۔

﴿بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝۴۲﴾ ’’بلکہ یہ لوگ اپنے رب کے ذکر سے

اعراض کیے ہوئے ہیں۔‘‘

آیت ۴۳ ﴿اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ؕ﴾ ’’کیا ان کے ایسے معبود ہیں ہمارے سوا جواُن کو بچاتے ہیں؟‘‘

﴿لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا یُصْحَبُوْنَ ۴۳﴾ ’’وہ تو خود اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے اور نہ ہی وہ ہمارے مقابلے میں ان کی مصاحبت کر سکتے ہیں۔‘‘

یعنی ہمارے مقابلے میں ان کے خودساختہ معبودوں کی دوستی ان کے کسی کام نہیں آ سکتی۔

آیت ۴۴ ﴿بَلْ مَتَّعْنَا هٰۤؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰی طَالَ عَلَیْهِمُ الْعُمُرُ ؕ﴾ ’’لیکن ہم نے (دنیوی) نعمتیں عطا کیں ان کو بھی اور ان کے آباء واَجداد کو بھی‘ یہاں تک کہ ان پر ایک مدت گزر گئی۔‘‘

ہم انہیں مسلسل دنیوی نعمتوں سے نوازتے رہے‘ یہاں تک کہ وہ ان کے عادی ہو گئے‘ انہیں اپنی ملکیت سمجھنے لگے اور ان پر خوب اترانے لگے۔

﴿اَفَلَا یَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ﴾ ’’کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آ رہے ہیں؟‘‘

کیا مشرکین مکہ کو یہ ٹھوس حقیقت نظر نہیں آ رہی کہ اس سرزمین میں ان کا اثر ورسوخ روز بروز کم ہو رہا ہے۔ اسلام کا پیغام مسلسل پھیل رہا ہے۔ مکہ کے اندر سے بھی اس روشنی کا دائرہ وسیع ہو رہا ہے اور باہر کے قبائل میں بھی دعوتِ اسلام کا تعارف رفتہ رفتہ بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ گویا مشرکین مکہ کے لیے زمین مسلسل سکڑتی چلی جا رہی ہے اور ہر آنے والے دن کے ساتھ اہل ایمان کی تعداد اور طاقت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ان سے ملتے جلتے الفاظ میں یہ مضمون اس سے پہلے سورۃ الرعد میں بھی آ چکا ہے: ﴿اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ وَاللّٰهُ یَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ؕ وَهُوَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ۴۱﴾ ’’کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہم زمین کو گھٹاتے چلے آ رہے ہیں اس کے کناروں سے؟ اور اللہ ہی فیصلہ کرنے والا ہے‘ کوئی نہیں پیچھے ڈالنے والا اس کے حکم کو‘ اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔‘‘

﴿اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۴۴﴾ ’’تو کیا (اب بھی وہ سمجھتے ہیں کہ) وہی غالب آنے والے ہیں؟‘‘

یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی کیا ان کا خیال ہے کہ اس کش مکش میں وہی جیتیں گے:

آیت ۴۵ ﴿قُلْ اِنَّمَاۤ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْیِ ۫﴾ ’’آپؐ کہہ دیجیے کہ میں تم لوگوں کو خبردار کرتا ہوں وحی کے ذریعے سے‘‘

﴿وَلَا یَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا یُنْذَرُوْنَ ۴۵﴾ ’’اور بہرے نہیں سنتے کسی پکار کو جب انہیں خبردار کیا جاتا ہے۔‘‘

اگر آپ ایک بہرے کو چلا چلا کر خبردار کر رہے ہوں کہ تمہارے پیچھے سے ایک شیر تم پر حملہ آور ہونے جا رہا ہے تو وہ کہاں خود کو اس خطرے سے بچائے گا۔ یہی مثال ان منکرین کی ہے جو دعوتِ حق کی آواز سننے کی صلاحیت سے محروم ہو چکے ہیں۔

آیت ۴۶ ﴿وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَیَقُوْلُنَّ یٰوَیْلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِیْنَ ۴۶﴾ ’’اور اگر انہیں آپؐ کے رب کے عذاب کا ایک بھبکا بھی لگ جائے تو فوراً چیخ اٹھیں گے کہ ہائے ہماری شامت‘ ہم ہی ظالم تھے۔‘‘

یہی لوگ جواب اکڑ اکڑ کر باتیں کرتے ہیں اور آپؐ پر طنز واستہزاء کے تیر برساتے ہیں‘ عذابِ الٰہی کا ایک جھٹکا بھی نہیں سہہ سکیں گے اور دہائی مچانا شروع کر دیں گے کہ قصوروار ہم خود ہی تھے۔

آیت ۴۷ ﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَیْـًٔا ؕ﴾ ’’اور ہم قیامت کے دن عدل وانصاف کی میزانیں لا کر رکھ دیں گے‘ پھر کسی جان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔‘‘

﴿وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَیْنَا بِهَا ؕ﴾ ’’اگر ہو گا کوئی (عمل) رائی کے دانے کے برابر بھی تو اسے ہم لے آئیں گے۔‘‘

﴿وَكَفٰی بِنَا حٰسِبِیْنَ ۴۷﴾ ’’اور حساب لینے کے لیے ہم کافی ہیں۔‘‘

اس سلسلے میں ہمیں کسی مددگار کی ضرورت نہیں ہو گی۔

آیت ۴۸ ﴿وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِیَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِیْنَ ۴۸﴾ ’’اور ہم نے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو عطا کی تھی فرقان (کتاب)‘ روشنی اور نصیحت متقین کے لیے۔‘‘

آیت ۴۹ ﴿الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَیْبِ وَھُمْ مِّنَ السَّاعَۃِ مُشْفِقُوْنَ ﴿۴۹﴾﴾ ''جو ڈرتے رہتے ہیں اپنے ربّ سے غیب میں (ہونے کے باوجود) اور وہ قیامت (کے تصور) سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔''

آیت ۵۰ ﴿وَھٰذَا ذِکْرٌ مُّبٰرَکٌ اَنْزَلْنٰہُ ط﴾ ''اور اب یہ بابرکت ذکر (قرآن) ہم نے نازل کیا ہے۔''

اس سے پہلے ہم نے تورات نازل کی جو حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والی تھی‘ اس میں مؤمنین متقین کے لیے روشنی اور نصیحت بھی تھی‘ اور اب ہم نے اپنا بابرکت کلام قرآن کی صورت میں نازل کیا ہے۔

﴿اَفَاَنْتُمْ لَہٗ مُنْکِرُوْنَ ﴿۵۰﴾﴾ ''تو کیا تم اس کا انکار کر رہے ہو؟''

آیات ۵۱ تا ۷۵

وَلَقَدْ اٰتَیْنَآ اِبْرٰھِیْمَ رُشْدَہٗ مِنْ قَبْلُ وَکُنَّا بِہٖ عٰلِمِیْنَ ﴿۵۱﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِیْہِ وَقَوْمِہٖ
مَا ھٰذِہِ التَّمَاثِیْلُ الَّتِیْٓ اَنْتُمْ لَھَا عٰکِفُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَھَا
عٰبِدِیْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ لَقَدْ کُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُکُمْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۵۴﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا
بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِیْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ بَلْ رَّبُّکُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
الَّذِیْ فَطَرَھُنَّ ز وَاَنَا عَلٰی ذٰلِکُمْ مِّنَ الشّٰھِدِیْنَ ﴿۵۶﴾ وَتَاللّٰہِ لَاَکِیْدَنَّ
اَصْنَامَکُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِیْنَ ﴿۵۷﴾ فَجَعَلَھُمْ جُذٰذًا اِلَّا کَبِیْرًا لَّھُمْ لَعَلَّھُمْ
اِلَیْہِ یَرْجِعُوْنَ ﴿۵۸﴾ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ ھٰذَا بِاٰلِھَتِنَآ اِنَّہٗ لَمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا
سَمِعْنَا فَتًی یَّذْکُرُھُمْ یُقَالُ لَہٗٓ اِبْرٰھِیْمُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا فَاْتُوْا بِہٖ عَلٰٓی اَعْیُنِ النَّاسِ
لَعَلَّھُمْ یَشْھَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ ھٰذَا بِاٰلِھَتِنَا یٰٓاِبْرٰھِیْمُ ﴿۶۲﴾ قَالَ بَلْ
فَعَلَہٗ ق کَبِیْرُھُمْ ھٰذَا فَسْئَلُوْھُمْ اِنْ کَانُوْا یَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓی اَنْفُسِھِمْ
فَقَالُوْٓا اِنَّکُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ ثُمَّ نُکِسُوْا عَلٰی رُءُوْسِھِمْ ج لَقَدْ عَلِمْتَ مَا ھٰٓؤُلَآءِ
یَنْطِقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَنْفَعُکُمْ شَیْئًا وَّلَا یَضُرُّکُمْ ط
اُفٍّ لَّکُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوْا حَرِّقُوْہُ

وَانْصُرُوْٓا اٰلِھَتَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْنَا یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓی
اِبْرٰھِیْمَ ﴿۶۹﴾ وَاَرَادُوْا بِہٖ کَیْدًا فَجَعَلْنٰھُمُ الْاَخْسَرِیْنَ ﴿۷۰﴾ وَنَجَّیْنٰہُ وَلُوْطًا اِلَی
الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَکْنَا فِیْھَا لِلْعٰلَمِیْنَ ﴿۷۱﴾ وَوَھَبْنَا لَہٗٓ اِسْحٰقَ ط وَیَعْقُوْبَ نَافِلَۃً ط
وَکُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِیْنَ ﴿۷۲﴾ وَجَعَلْنٰھُمْ اَئِمَّۃً یَّھْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَیْنَآ اِلَیْھِمْ
فِعْلَ الْخَیْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَآءَ الزَّکٰوۃِ ج وَکَانُوْا لَنَا عٰبِدِیْنَ ﴿۷۳﴾ وَلُوْطًا
اٰتَیْنٰہُ حُکْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّیْنٰہُ مِنَ الْقَرْیَۃِ الَّتِیْ کَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ط اِنَّھُمْ
کَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِیْنَ ﴿۷۴﴾ وَاَدْخَلْنٰہُ فِیْ رَحْمَتِنَا ط اِنَّہٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۷۵﴾

آیت ۵۱ ﴿وَلَقَدْ اٰتَیْنَآ اِبْرٰھِیْمَ رُشْدَہٗ مِنْ قَبْلُ وَکُنَّا بِہٖ عٰلِمِیْنَ ﴿۵۱﴾﴾ ''اور (موسٰی سے بھی) پہلے ہم نے ابراہیمؑ کو اُس کی سعادت کی راہ بخشی تھی اور ہم ہر طرح سے اس کی خبر رکھتے تھے۔''

ان آیات میں بڑی عمدگی سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپؑ کی قوم کے درمیان ہونے والی کش مکش کی تفصیل بیان ہو رہی ہے:

آیت ۵۲ ﴿اِذْ قَالَ لِاَبِیْہِ وَقَوْمِہٖ مَا ھٰذِہِ التَّمَاثِیْلُ الَّتِیْٓ اَنْتُمْ لَھَا عٰکِفُوْنَ ﴿۵۲﴾﴾ ''جب ابراہیمؑ نے اپنے والد اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ کیا مورتیاں ہیں جن کے لیے تم لوگ اعتکاف کیے رہتے ہو!''

ذرا ان پتھر کی خود تراشیدہ مورتیوں کی اصلیت اور حقیقت تو بیان کرو جن کے تم مجاور بنے بیٹھے ہو اور جن کے گیان دھیان میں لگے رہتے ہو!

آیت ۵۳ ﴿قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَھَا عٰبِدِیْنَ ﴿۵۳﴾﴾ ''انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے اپنے آباء واَجداد کو (اسی طرح سے) ان کی عبادت کرتے پایا تھا۔''

آیت ۵۴ ﴿قَالَ لَقَدْ کُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُکُمْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۵۴﴾﴾ ''ابراہیمؑ نے کہا: پھر تو تم بھی اور تمہارے آباء واَجداد بھی یقیناً کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔''

آپؑ نے علی الاعلان حق بات سب کے سامنے کہہ دی۔

آیت ۵۵ ﴿قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِیْنَ ﴿۵۵﴾﴾ ''وہ کہنے لگے کہ کیا آپ

واقعی ہمارے پاس حق لائے ہیں یا محض شغل کر رہے ہیں؟‘‘

یعنی کیا آپؑ اس بات میں واقعی سنجیدہ ہیں اور آپؑ کا یہ دعویٰ ٹھوس علمی حقائق پر مبنی ہے یا ویسے ہی تفریحِ طبع کے لیے باتیں بنا رہے ہیں؟

آیت ۵۶ ﴿قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۡ﴾ ’’ابراہیمؑ نے جواب دیا کہ نہیں‘ بلکہ فی الواقع تمہارا ربّ وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے‘ جس نے انہیں پیدا کیا ہے‘‘

﴿وَاَنَا عَلٰي ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝۵۶﴾ ’’اور میں خود بھی اس پر گواہ ہوں!‘‘

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں علیٰ وجہ البصیرت یہ بات کہہ رہا ہوں‘ مجھے اس میں ذرا بھی شک نہیں۔ حضور ﷺ کو بھی اپنی دعوت کے سلسلے میں بالکل اسی طرح قطعی الفاظ میں اعلان کرنے کا حکم دیا گیا: ﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ﴾ (یوسف: ۱۰۸) ’’(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے کہ یہ میرا راستہ ہے‘ میں اللہ کی طرف بلا رہا ہوں پوری بصیرت کے ساتھ‘ میں خود بھی اور وہ بھی جو میری پیروی کر رہے ہیں۔‘‘

آیت ۵۷ ﴿وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝۵۷﴾ ’’اور اللہ کی قسم! میں تمہارے ان بتوں کے ساتھ ضرور کوئی چال چل کے رہوں گا‘ جبکہ تم چلے جاؤ گے پیٹھ موڑ کر۔‘‘

جیسے ہندوؤں کے ہاں جنم اشٹمی کا میلہ ہوتا ہے ایسے ہی ان لوگوں کا بھی کوئی تہوار تھا جس میں وہ سب کسی کھلے میدان میں جا کر پوجا پاٹ کرتے تھے۔ جب وہ دن آیا تو ان کے چھوٹے بڑے‘ مرد عورتیں سب مقررہ مقام پر چلے گئے۔ حضرت ابراہیمؑ ان کے ساتھ نہیں گئے: ﴿فَقَالَ اِنِّىْ سَقِيْمٌ ۝۸۹﴾ (الصّٰفّٰت) ’’انہوںؑ نے کہا کہ میری طبیعت ناساز ہے‘‘۔ میں تمہارے ساتھ نہیں جا سکتا۔ چنانچہ جب شہر خالی ہو گیا تو آپؑ ایک تیشہ ہاتھ میں لے کر ان کے بت خانے میں گھس گئے:

آیت ۵۸ ﴿فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ۝۵۸﴾ ’’تو آپؑ نے ان سب کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا‘ سوائے ان کے بڑے کے‘ شاید کہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔‘‘

آپؑ نے سب سے بڑے بُت کو چھوڑ کر باقی تمام بُتوں کو تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ اس کے بعد آپؑ نے اپنا تیشہ بھی اس بڑے بت کے کندھے پر رکھ دیا تا کہ وہ آ کر دیکھیں تو سب سے بڑا بت صحیح سالم کھڑا ہو‘ باقی سب کے سب تیشے کا شکار ہوئے پڑے ہوں‘ آلۂ واردات بھی اسی بڑے کے پاس سے برآمد ہو اور یوں واقعاتی شہادت (circumstancial evidence) کی حد تک اس کے خلاف اِتمامِ حجت بھی ہو جائے۔ چنانچہ انہوں نے واپس آ کر اپنے بتوں کا حال دیکھا تو:

آیت ۵۹ ﴿قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵۹﴾ ’’وہ چلّا اُٹھے: کس نے کیا ہے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ سب کچھ؟ وہ تو یقیناً کوئی بہت ہی ظالم ہے!‘‘

ذرا تصور کریں‘ آج اگر بنارس یا متھرا (بھارت) میں ایسا کوئی واقعہ رونما ہو جائے تو کیسی قیامت ٹوٹ پڑے گی۔ ایسے ہی اس واقعہ سے شہر اُر پر گویا قیامت ٹوٹ پڑی۔

آیت ۶۰ ﴿قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ۝۶۰﴾ ’’کچھ لوگوں نے کہا کہ ہم نے ایک نوجوان کو ان کے بارے میں (غلط) باتیں کرتے سنا تھا‘ جسے ابراہیم کہا جاتا ہے۔‘‘

ابراہیمؑ ہی ان کے بارے میں زبان درازی کرتا ہوا سنا گیا تھا کہ ان کی حقیقت کچھ نہیں ہے‘ انہیں خواہ مخواہ معبود بنا لیا گیا ہے‘ وغیرہ وغیرہ۔ شاید اسی نے یہ حرکت کی ہو!

آیت ۶۱ ﴿قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓي اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ۝۶۱﴾ ’’لوگوں نے کہا کہ پھر لاؤ اس کو سب کے سامنے تا کہ وہ گواہی دیں۔‘‘

تا کہ جن لوگوں کے سامنے اس نے گستاخانہ گفتگو کی تھی وہ اسے پہچان کر گواہی دے سکیں کہ ہاں یہی ہے وہ شخص جو ہمارے معبودوں کے بارے میں ایسی ویسی باتیں کرتا تھا اور جس نے قسم کھا کر کہا تھا کہ میں ضرور ان کے ساتھ کچھ چال چلوں گا۔ چنانچہ جب آپؑ کو سامنے لا کر تصدیق کر لی گئی تو:

آیت ۶۲ ﴿قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝۶۲﴾ ’’انہوں نے پوچھا: اے ابراہیمؑ! کیا ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ سب کچھ تم نے کیا ہے؟‘‘

آیت ۶۳ ﴿قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ڰ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔــلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ۝۶۳﴾ ’’آپؑ نے جواب دیا: بلکہ یہ ان کے اس بڑے نے کیا ہے‘ تم پوچھ دیکھو ان سے اگر یہ

بولتے ہوں۔‘‘

یہ جھوٹ نہیں بلکہ ’’توریہ‘‘ کا ایک انداز ہے۔ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ نہیں سمجھتے تھے کہ میری اس بات کو وہ لوگ سچ سمجھ لیں گے اور وہ لوگ بھی خوب سمجھ رہے تھے کہ ان سے ایسے کیوں کہا جا رہا ہے۔ بہرحال آپؑ کا مقصد انہیں اپنے گریبانوں میں جھانکنے اور سوچنے پر مجبور کرنا تھا۔

آیت ۶۴ ﴿فَرَجَعُوْۤا اِلٰۤی اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْۤا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۶۴﴾ ’’اس پر انہوں نے اپنے اندر ہی اندر سوچا اور (خود کلامی کرتے ہوئے) کہنے لگے کہ یقیناً تم خود ہی ظالم ہو۔‘‘

یہ گویا ان کے ضمیر کی آواز تھی کہ ابراہیمؑ کی بات ہے تو درست! ظالم تو تم خود ہو جو ان بے جان مجسموں کو معبود سمجھتے ہو‘ جو خود اپنا دفاع بھی نہ کر سکے اور اب یہ بتانے سے بھی معذور ہیں کہ ان کی یہ حالت کس نے کی ہے؟

آیت ۶۵ ﴿ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰی رُءُوْسِهِمْ ۚ﴾ ’’پھر وہ اپنے سروں کے بل اوندھے کر دیے گئے‘‘

ایک لمحے کے لیے دلوں میں یہ خیال تو آیا کہ ابراہیمؑ کی بات درست ہے اور ہم غلط ہیں‘ مگر جاہلانہ حمیت وعصبیت کے ہاتھوں ان کی عقلیں پھر سے اوندھی ہو گئیں اور پھر سے وہ ان بے جان بتوں کا دفاع کرنے کی ٹھان کر بولے کہ ان سے ہم کیا پوچھیں:

﴿لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰۤؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ۝۶۵﴾ ’’تم تو جانتے ہو کہ یہ بول نہیں سکتے!‘‘

آیت ۶۶ ﴿قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ۝۶۶﴾ ’’ابراہیمؑ نے کہا: تو کیا تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کو پوجتے ہو جو نہ تو تمہیں کچھ نفع دے سکتی ہیں اور نہ ہی تمہارا کچھ نقصان کر سکتی ہیں؟‘‘

آیت ۶۷ ﴿اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۶۷﴾ ’’تُف ہے تم پر بھی اور ان پر بھی جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پوجتے ہو۔ تو کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے؟‘‘

آیت ۶۸ ﴿قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْۤا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝۶۸﴾ ’’انہوں نے کہا:

جلا ڈالو اسے‘ اور مدد کرو اپنے معبودوں کی! اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے۔‘‘

چنانچہ انہوں نے آگ کا ایک بہت بڑا الاؤ تیار کیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس میں ڈال دیا۔

آیت ۶۹ ﴿قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰۤی اِبْرٰهِيْمَ ۝۶۹﴾ ’’ہم نے حکم دیا کہ اے آگ! تُو ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی بن جا ابراہیمؑ پر۔‘‘

یہاں یہ نکتہ ذہنوں میں تازہ کرنے کی ضرورت ہے کہ فطرت کے قوانین اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ہیں اور اللہ جب چاہے انہیں تبدیل کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور مشیت ان قوانین سے بالاتر ہے‘ ان کی پابند نہیں۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ قوانین بہت محکم ہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں روز روز تبدیل نہیں کرتا۔ اگر یہ محکم اور مستقل نہ ہوتے تو نہ سائنس کا کوئی تصور ہوتا‘ نہ کوئی ٹیکنالوجی وجود میں آ سکتی۔ تمام سائنسی ایجادات اور ٹیکنالوجیز طبیعی اور کیمیائی تبدیلیوں (Physical and Chemical Changes) کے قوانین کے محکم اور مستقل ہونے کے باعث ہی وجود میں آئی ہیں۔ البتہ یہ سمجھنا کہ اللہ خود بھی ان قوانین کو نہیں توڑ سکتا ایک کھلی حماقت ہے‘ اور پچھلی صدی میں ہمارا پڑھا لکھا طبقہ اسی حماقت کا شکار ہوا۔ سرسید احمد خان نے اسی سوچ کے تحت ہر معجزے کی کوئی نہ کوئی سائنٹفک توجیہہ کرنے کی کوشش کی تاکہ وہ معجزے کے بجائے فطری عمل کا حصہ (natural phenomenon) نظر آئے۔ مثلاً انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے سمندر کے پھٹنے کا انکار کرتے ہوئے اس کی تعبیر اس طرح کی کہ یہ سب کچھ مدوجزر کے عمل کے سبب ہوا تھا۔ ’جزر‘ کے سبب جب سمندر کا پانی پیچھے ہٹا ہوا تھا تو حضرت موسیٰؑ اپنے ساتھیوں کو لے کر نکل گئے‘ مگر جب فرعون اپنے لشکر کے ساتھ گزر رہا تھا تو اس وقت سمندر ’مد‘ پر آ گیا جس کی وجہ سے وہ سب غرق ہو گئے۔ اس سوچ کے پس منظر میں بہرحال یہ غلط عقیدہ کارفرما ہے کہ قوانینِ فطرت اٹل ہیں اور وہ تبدیل نہیں ہوتے۔ اس کے مقابلے میں درست عقیدہ یہ ہے کہ قوانینِ فطرت محکم‘ مستقل اور مضبوط ہیں مگر اٹل نہیں ہیں۔ اللہ جب چاہے کسی قانون کو ختم کر دے یا تبدیل کر دے ___ اور اسی کا نام معجزہ ہے۔

آیت ۷۰ ﴿وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا﴾ ’’اور انہوں نے ارادہ کیا اُسؑ کے ساتھ ایک چال چلنے کا‘‘

ان الفاظ پر میں ایک طویل عرصے تک غور کرتا رہا کہ اس سارے منصوبے میں ان کی ’’چال‘‘ آخر کون سی تھی مگر مجھے کچھ سمجھ نہ آیا۔ پھر یکایک ذہن اس خیال کی طرف منتقل ہو گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وہ لوگ درحقیقت ڈرانا چاہتے تھے‘ جلانا نہیں چاہتے تھے۔ انہوں نے آپؑ کو آپؑ کے موقف سے ہٹانے کے لیے انتہائی خوفناک دھمکی دی تھی (حَرِّقُوْهُ) کہ اسے جلا ڈالو! ان کا خیال تھا کہ ابھی تو یہ بڑے بہادر بنے ہوئے ہیں‘ بڑھ چڑھ کر باتیں کر رہے ہیں‘ مگر جب انہیں آگ کے ہیبت ناک الاؤ کے سامنے لے جا کر کھڑا کیا جائے گا تو ان کے ہوش ٹھکانے آ جائیں گے‘ اور آپؑ جان بچانے کے لیے توبہ پر آمادہ ہو جائیں گے۔ یوں انہوں نے آپؑ کے خلاف چال چلی مگر یہ چال انہیں الٹی پڑ گئی۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی!

﴿فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ۷۰﴾ ’’لیکن ہم نے انہی کو کر دیا خسارا اٹھانے والے۔‘‘

وہ اپنی چال میں ناکام ہو گئے۔

آیت ۷۱ ﴿وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ۷۱﴾ ’’اور ہم ابراہیمؑ کو اور لوطؑ کو بچا کر اُس سرزمین کی طرف نکال لے گئے جس میں ہم نے برکتیں رکھی ہیں سب جہان والوں کے لیے۔‘‘

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ وہؑ آپؑ پر ایمان لے آئے۔ پھر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عراق سے شام کی طرف ہجرت کی تو حضرت لوط علیہ السلام بھی آپؑ کے ساتھ تھے۔ آپؑ لوگ عراق کے مشرقی علاقے کے راستے سے ہوتے ہوئے شام پہنچے۔ درمیان میں چونکہ شرقِ اردن وغیرہ کا علاقہ ناقابل عبور صحرا پر مشتمل تھا اس لیے شام کے شمالی علاقے سے ہوتے ہوئے اور پھر نیچے کی طرف سفر کرتے ہوئے فلسطین پہنچے اور وہاں مستقل طور پر سکونت اختیار کی۔

آیت ۷۲ ﴿وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ ؕ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ﴾ ’’اور ہم نے اس کو اسحاقؑ عطا فرمایا اور یعقوبؑ اس پر مزید۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو اسحاق علیہ السلام جیسا بیٹا اور یعقوب علیہ السلام جیسا پوتا عطا فرمایا۔

﴿وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ۷۲﴾ ’’اور ان سب کو ہم نے صالح بنایا۔‘‘

آیت ۷۳ ﴿وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا﴾ ’’اور ہم نے انہیں امام بنا دیا‘ جو ہدایت دیتے تھے ہمارے حکم سے‘‘

یعنی لوگوں کی راہنمائی اور راہبری کرتے تھے۔

﴿وَاَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ﴾ ’’اور ہم نے انؑ کی طرف وحی کی نیک کام کرنے‘ نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی۔‘‘

﴿وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ۷۳﴾ ’’اور وہ سب کے سب ہماری بندگی کرنے والے تھے۔‘‘

یہاں آپ کو کچھ انبیاء کا تذکرہ اور ان کے اوصاف پر مشتمل آیات کا گلدستہ دیکھنے کو ملے گا۔ اس ضمن میں یہ بھی مدنظر رہے کہ اس سورۃ میں تمام انبیاء کا ذکر انباء الرسل کی بجائے قصص النبیین کے انداز میں ہوا ہے۔

آیت ۷۴ ﴿وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا﴾ ’’اور لوطؑ کو ہم نے حکم اور علم عطا فرمایا‘‘

حکم سے حکمت‘ فہم اور قوتِ فیصلہ مراد ہے۔

﴿وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ؕ﴾ ’’اور ہم نے اسے نجات دی اس بستی سے جو گندے کام کرتی تھی۔‘‘

یعنی اس بستی کے لوگ گندے کاموں میں مبتلا تھے۔

﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ۷۴﴾ ’’یقیناً وہ نہایت برے اور نافرمان لوگوں کی قوم تھی۔‘‘

آیت ۷۵ ﴿وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۷۵﴾ ’’اور لوطؑ کو ہم نے اپنی رحمت میں داخل کیا۔ یقیناً وہ (ہمارے) صالح بندوں میں سے تھا۔‘‘

جہاد فی سبیل اللہ
اصل حقیقت‘ اہمیت ولزوم اور مراحل و مدارج
بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کا ایک جامع خطاب

شرعی احکام کی اقسام (۲)

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

(گزشتہ سے پیوستہ)

فرائضِ دینی میں جہاد کا مقام

اب تک کی گفتگو میں ہم نے فرائضِ دینی کا نقشہ مکمل کر لیا ہے' لیکن اب مجھے خیال آیا کہ اس نقشہ میں جہاد اور قتال کا کہیں ذکر نہیں آیا' حالانکہ ہم ایسی احادیث پڑھ چکے ہیں جن میں حضور ﷺ نے جہاد فی سبیل اللہ کو دین کی چوٹی قرار دیا ہے۔ چنانچہ اربعین کی حدیث نمبر ۲۸ میں ہم نے حضور ﷺ کا یہ فرمان پڑھا تھا: ((وَذِرْوَةُ سَنَامِهِ الْجِهَادُ)) ''اور دین کی چوٹی کا عمل جہاد ہے''۔ پھر یہ حدیث ذرا مفصل انداز میں ''حکمت دین کا ایک عظیم خزانہ'' کے عنوان سے ہم نے کافی پہلے پڑھی تھی جس میں یہی بات اس طور پر آئی تھی' کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ((اِنْ شِئْتَ حَدَّثْتُكَ يَا مُعَاذُ بِرَأْسِ هٰذَا الْاَمْرِ وَذِرْوَةِ السَّنَامِ)) ''اے معاذ! اگر تم چاہو تو میں تمہیں بتاؤں کہ ہمارے اس دین کی جڑ کیا ہے اور اس کی چوٹی کیا ہے''۔ پھر آپ ﷺ نے دین کی چوٹی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: ((وَاَنَّ ذِرْوَةَ السَّنَامِ مِنْهُ الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ)) ''اور اس کی بلند ترین چوٹی جہاد فی سبیل اللہ ہے''۔ اسی طرح بہت سی قرآنی آیات میں جہاد کو ایمان کا جزوِ لازم قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً سورۃ الحجرات میں فرمایا:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝۱۵﴾

''حقیقی مؤمن تو صرف وہ ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اُس کے رسولؐ پر' پھر

شک میں ہرگز نہیں پڑے اور انہوں نے جہاد کیا اللہ کی راہ میں اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ۔ صرف یہی لوگ سچے ہیں۔''

اسی طرح سورۃ الصّف کی یہ آیات بھی ہمارے ہاں بار بار زیر بحث آتی ہیں:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۱۰ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۱۱﴾

''اے ایمان کے دعوے دارو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت کے بارے میں بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے چھٹکارا دلا دے؟ (وہ یہ کہ) تم ایمان لاؤ اللہ اور اُس کے رسولؐ پر اور جہاد کرو اللہ کے راستے میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔''

ان آیاتِ الٰہیہ اور ارشاداتِ نبویؐ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جہاد ایمان کا لازمی حصہ (integral part) ہے اور جہاد کے بغیر جہنم سے چھٹکارا کسی صورت ممکن نہیں ہے۔ اب اس بات کو سمجھئے اور اسے فرائض دینی کے نقشہ کے اندر فٹ کیجیے۔

جہاد ایمان کا جزوِ لازم اور رکن ہے!

میں نے آپ کو بتایا تھا کہ بنیاد (foundation) کے دو حصے ہوتے ہیں۔ بنیاد کا وہ حصہ جو زمین کے اوپر نظر آ رہا ہے (plinth level) وہ کلمہ شہادت ہے' جبکہ اس سے نیچے زیر زمین بنیاد دلی یقین والا ایمان ہے۔ یہاں سے جہاد کا پودا پھوٹتا ہے اور پھر مختلف سطحوں پر اس کی شاخیں پھیلتی ہیں۔ آخر کار وہ اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے۔ لیکن یہ یاد رکھیے کہ جہاد ارکانِ اسلام میں سے نہیں ہے۔ بعض لوگ جہاد کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے جوش و جذبے میں اس کو بھی ارکانِ اسلام میں شامل کر دیتے ہیں' حالانکہ ایسا نہیں ہے' اس لیے کہ ارکانِ اسلام حدیث جبریل اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی متفق علیہ روایت کی رو سے پانچ ہی ہیں۔ اب مجھے یا کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس میں کسی کا اضافہ کریں۔ لہٰذا جہاد ارکانِ اسلام میں سے نہیں ہے' البتہ ارکانِ ایمان میں سے

ہے۔ گویا اسلام کے تو پانچ ارکان ہیں: کلمہ شہادت‘ نماز‘ روزہ‘ حج اور زکوٰۃ‘ جبکہ ایمانِ حقیقی کے دو اضافی رکن ہو گئے: (i) دل میں یقین‘ اور (ii) عمل میں جہاد۔ اس طرح ایمان کے ارکان سات ہو جائیں گے‘ کیونکہ اسلام والے پانچ ارکان تو لازماً شامل ہیں‘ لیکن دو اضافی بھی ساتھ شامل ہو گئے۔

جہاد کی پہلی منزل اور اس کی تین ذیلی سطحیں

جہاد کا پودا زیر زمین بنیاد یعنی یقین والے ایمان سے نکل رہا ہے اور فرائض دینی کی پہلی چھت یعنی اسلام‘ اطاعت‘ تقویٰ اور عبادت کے لیے جدوجہد کرنا‘ یہ جہاد کی پہلی منزل ہے یا یوں کہہ لیں کہ پہلی چھت پر چڑھنے کے لیے جہاد بمنزلہ سیڑھی کے ہے۔ آگے اس کی تین ذیلی سطحیں (sub levels) ہیں۔

دیکھئے‘ سب سے پہلے آپ اللہ کے بندے بننا چاہتے ہیں جیسا کہ اس کا حق ہے تو اس کے لیے آپ کو تین قوتوں کے ساتھ مقابلہ کرنا پڑے گا۔ سب سے پہلی قوت آپ کا نفس امارہ ہے —﴿اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ﴾ (یوسف:۵۳) ’’یقیناً نفس تو برائی ہی کا حکم دیتا ہے‘‘ — اور اپنے نفس کے خلاف زور آزمائی کرنا‘ یہ جہاد کی پہلی منزل کی پہلی ذیلی سطح ہے‘ اور یہ اہم ترین ہے‘ اس لیے کہ پہلی منزل ہو گی تو دوسری بنے گی اور پھر دوسری منزل ہو گی تو تیسری بنے گی۔ چنانچہ جہاد کی اہم ترین سطح مجاہدہ مع النفس اور نفس کے خلاف جہاد ہے۔ اسی لیے حضورﷺ نے فرمایا: ((اَلْمُجَاھِدُ مَنْ جَاھَدَ نَفْسَہٗ))(۱) ’’مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس (کو کنٹرول کرنے) کے لیے جدوجہد کرے‘‘۔ اسی طرح حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے ارشاد فرمایا: ((اَفْضَلُ الْجِھَادِ اَنْ تُجَاھِدَ نَفْسَکَ وَھَوَاکَ فِیْ ذَاتِ اللّٰہِ تَعَالٰی))(۲) ’’افضل جہاد یہ ہے کہ تم اپنے نفس اور اپنی خواہشات کو اللہ کا مطیع بنانے کے لیے ان کے خلاف جہاد کرو۔‘‘

(۱) سنن الترمذی‘ ابواب فضائل الجہاد‘ باب باب ماجاء فی فضل من مات مرابطا۔

(۲) رواہ الدیلمی‘ بحوالہ کنز العمال: ۲۶۹/۴۔

جہاد کی پہلی منزل کی دوسری ذیلی سطح ہے: شیطان کے خلاف جدوجہد کرنا۔ اس لیے کہ اس نفس کو اُکسانے والا شیطانِ لعین ہے اور اس کے خلاف جدوجہد کرنا بھی جہاد ہے۔ شیطان کے بارے میں قرآن نے واضح طور پر فرمادیا: ﴿اِنَّ الشَّیۡطٰنَ لَکُمۡ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوۡہُ عَدُوًّا ؕ﴾ (فاطر:۶) ’’یقیناً شیطان تمہارا دشمن ہے‘ چنانچہ تم بھی اس کو دشمن ہی سمجھو!‘‘ اسی طرح سورۃ الناس میں فرمایا: ﴿الَّذِیۡ یُوَسۡوِسُ فِیۡ صُدُوۡرِ النَّاسِ ۙ﴾ ’’جو لوگوں کے سینوں میں وسوسہ اندازی کرتا ہے‘‘۔ جیسے آگ کے اوپر کچھ خاکستر آ گیا ہو تو پھونکیں مار کر اس آگ کو بھڑکایا جاتا ہے اسی طرح شیطان بھی نفس کے اندر پھونکیں مارتا رہتا ہے۔ حضورﷺ نے اس کی مثال یوں دی ہے کہ شیطان اپنی تھوتھنی انسان کے دل پر رکھتا ہے اور اس کو پھونکیں مارتا رہتا ہے۔ لہٰذا شیطان کو اپنا دشمن سمجھتے ہوئے اُس کے خلاف جدوجہد کرو۔ وہ تمہیں نظر نہیں آتا اور تم پر وہاں سے حملہ کرتا ہے جہاں سے تم اسے دیکھ نہیں پاتے۔ چنانچہ جب تک تم اس کے خلاف جہاد نہیں کرو گے تو کیسے اللہ کے بندے بن سکو گے اور کیسے اپنے نفس کو تابع کر سکو گے!

جہاد کی پہلی منزل کی تیسری ذیلی سطح بگڑے ہوئے معاشرے کے خلاف جدوجہد کرنا ہے۔ اس لیے کہ معاشرہ بھی آپ کو برائی کی طرف دھکیلتا ہے۔ آپ نے اکثر یہ جملہ سنا ہو گا کہ کیا کریں جی‘ اب تو چلن ہی اس بات کا ہے‘ اگر ہم اپنی بیٹیوں کو ستر وحجاب کا پابند بنا دیں گے تو ہماری بچیوں کے رشتے کہاں ہوں گے۔ اگر ہمارے ہونے والے داماد کو یہ معلوم ہو جائے کہ وہ گھر کے اندر بلا روک ٹوک نہیں جا سکتا‘ اس لیے کہ اندر تو میری سالیاں ہیں جو میرے لیے نامحرم ہیں اور مجھے تو باہر بیٹھک میں بیٹھنا پڑے گا تو پھر کون ہمارا داماد بننا پسند کرے گا؟ اسی طرح اگر آپ رشوت لیتے تھے اور آپ نے اللہ کی توفیق سے چھوڑ دی ہے تو اب آپ کے گھر والے لڑیں گے اور آپ کو طرح طرح کی باتیں سنا کر آپ کو پھر سے رشوت کی دلدل میں دھکیلنے کی کوشش کریں گے۔ وہ کہیں گے کہ تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے؟ آج کل تو سب رشوت لیتے ہیں‘ تمہیں تقویٰ کا ہیضہ ہو گیا ہے؟ پہلے ہم اعلیٰ سے اعلیٰ کھانا کھاتے تھے اور اب تو سوکھی روٹی مل رہی ہے‘ وغیرہ

وغیرہ۔ یہ معاشرہ آپ کو دباؤ میں ڈالے گا کہ بیٹیوں کے ہاتھ کہاں سے پیلے کریں گے؟ اس لیے کہ جہیز تو ناگزیر ہے‘ تو وہ کہاں سے لاؤ گے اگر رشوت نہیں لو گے؟ چنانچہ یہ معاشرہ آپ کو بدی کی طرف دھکیل رہا ہے۔ اس کے خلاف جدوجہد (struggle) کرنا ہے۔ یہ جہاد کی پہلی منزل کا تیسرا sub level ہے۔

کسی بھی معاشرے کے اندر زندگی گزارنے کے دو انداز ہیں۔ ایک یہ کہ ع ’’زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز!‘‘ یعنی اگر زمانہ تمہارے ساتھ ہم آہنگی اختیار نہیں کرتا تو تم زمانے کے رنگ میں رنگے جاؤ۔ گویا ع ’’چلو تم اُدھر کو ہوا ہو جدھر کی!‘‘ اور دوسرا راستہ یہ ہے کہ ’’زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ ستیز!‘‘ کہ اگر زمانہ تمہارے ساتھ ہم آہنگی نہیں کر رہا تو تم زمانے کے خلاف جنگ کرو۔ اس کے لیے میں یہ مثال دیا کرتا ہوں کہ اگر ہجوم ایک طرف جا رہا ہے اور آپ بھی اُدھر ہی جا رہے ہیں تو آپ کو struggle کرنے کی ضرورت نہیں‘ وہ ہجوم خود ہی آپ کو اُدھر لے جائے گا۔ اور اگر آپ اس ہجوم کے مخالف سمت چلنا چاہیں گے تو ہو سکتا ہے بڑی مشکل سے آپ دو قدم چلیں اور پھر ہجوم کا ریلا آئے اور آپ کو دس قدم پیچھے لے جائے۔ علامہ اقبال نے ’’تُو با زمانہ ستیز‘‘ کی وضاحت اپنے اس شعر میں کی ہے:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی!

الغرض فرائض دینی کی پہلی منزل یعنی اسلام‘ اطاعت‘ تقویٰ‘ احسان اور عبادتِ ربّ کا تقاضا پورا کرنے کے لیے تین جہاد کرنے پڑیں گے: (i) نفس کے خلاف جہاد‘ (ii) شیطان اور اس کی ذرّیتِ معنوی کے خلاف جہاد اور (iii) بگڑے ہوئے معاشرے کے خلاف جہاد۔

جہاد کی دوسری منزل اور اس کی تین ذیلی سطحیں

فرائض دینی کی دوسری چھت کے لیے چار اصطلاحات تھیں: تبلیغ‘ دعوت‘ امر بالمعروف و نہی عن المنکر‘ اور شہادت علی الناس۔ ان کے لیے جدوجہد کرنا جہاد کی دوسری

سطح/منزل ہے۔ ظاہری بات ہے کہ دعوت و تبلیغ کے لیے پہلے دین سمجھیں گے‘ سیکھیں گے‘ تبھی تو آگے پہنچائیں گے۔ تو دین کا سیکھنا‘ سمجھنا اور اس کے لیے وقت لگانا جہاد ہے۔ وہی وقت جو آپ کسی دنیوی فن سیکھنے یا کوئی ہنر حاصل کرنے یا پی ایچ ڈی کرنے کے لیے لگاتے ہیں‘ یہی وقت اللہ کی کتاب اور اُس کے رسول ﷺ کی حدیث کو سمجھنے کے لیے لگانا پڑے گا تبھی تو آپ اللہ اور اس کے رسول کے پیغام کو لوگوں تک پہنچا پائیں گے۔ چنانچہ اللہ کے دین کو سیکھنے کے لیے وقت لگانا جہاد کی دوسری سطح ہے۔ دیکھئے‘ اصل دولت تو وقت ہے۔ ایک ڈاکٹر اپنا وقت لگا کر فیس وصول کر رہا ہے‘ کلرک اپنا وقت کام میں لگاتا ہے تو اسے پیسے ملتے ہیں۔ لیکن دین تقاضا کرتا ہے کہ یہی وقت دین کو سمجھنے اور سمجھانے میں لگاؤ۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهٗ))(۱) ’’تم میں سے بہترین وہ ہیں جو قرآن سیکھیں اور سکھائیں۔‘‘

پھر جہاد کی اس دوسری منزل یعنی دعوت و تبلیغ کے لیے جان و مال کھپانے کی بھی تین ذیلی سطحیں (sub levels) ہیں۔ پہلی ذیلی سطح یہ ہے کہ آپ معاشرے میں موجود تعلیم یافتہ‘ ذہین اور دانشور اشرافیہ طبقہ (intellectual elite) کو اللہ کا پیغام پہنچائیں۔ یاد رکھیے کہ ان تک دعوت پہنچانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس کے لیے آپ کو خود بھی اسی لیول اور شعور (consciousness) پر آنا پڑے گا جس پر وہ لوگ ہیں۔ وہ وعظ سے اثر نہیں لیں گے‘ بلکہ دلیل طلب کریں گے۔ جب قرآن کہتا ہے: ﴿هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ١١١﴾ (البقرۃ) کہ اے مشرکو‘ اے کافرو! اگر تمہارے پاس کوئی دلیل ہے تو پیش کرو۔ تو نہیں بھی تو حق ہے نا کہ وہ دلیل کا مطالبہ کریں۔ اب دلیل کو جاننا اور لوگوں کو اس طور سے سمجھانا کہ ان کے ذہن کی تشفی ہو جائے‘ یہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔ سطحی علم سے تو ایسا نہیں ہو سکتا‘ اس لیے کہ ان کے اندر بگڑے تگڑے شیطان بھی ہوتے ہیں‘ اور غلط فلسفوں‘ غلط نظریات (مثلاً ڈارون ازم‘ مارکسزم‘ لاجیکل پازیٹو ازم‘ میٹریل ازم‘ سیکولرازم‘ لبرل ازم وغیرہ) نے ان کے ذہنوں میں پنجے

(۱) صحیح البخاری‘ کتاب فضائل القرآن‘ باب خیر کم من تعلم القرآن وعلمه۔

گاڑے ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان سب سے نبرد آزما ہونے کے لیے بڑی اونچی سطح پر تحصیل علم وحکمت کی ضرورت ہے۔ یہ پوری زندگی کا معاملہ ہے' یہ کوئی پارٹ ٹائم جاب نہیں ہے' لہٰذا اس کام کے لیے اپنی زندگیوں کو لگا دو!

اس سے کم تر سطح پر عوام ہوتے ہیں جن کے دماغوں میں کوئی خنّاس نہیں ہوتا۔ وہ جانتے ہی نہیں کہ ڈاروِن ازم کس بلا کا نام ہے' مارکسزم کس پرندے کا نام ہے اور لاجیکل پازیٹوازم کیا چیز ہے۔ ان کو آپ سادہ انداز میں وعظ ونصیحت کریں گے تو وہ بھی کارگر ہوگی۔ لیکن اس کے لیے دو شرطیں ہیں: ایک تو یہ کہ خلوصِ دل سے آپ ان کو دعوت وتبلیغ کریں۔ یہ نہ ہو کہ آپ ان کو حقیر سمجھ کر ان پر اپنی نیکی کی دھونس جما رہے ہوں۔ اگر آپ کا طرزِ عمل ایسا ہوگا تو مخاطب کا ضمیر repel کرے گا' اس لیے کہ دل' دل کو پہچانتا ہے کہ یہ میرے اوپر اپنی نیکی کی دھونس جما رہا ہے۔ لہٰذا اخلوص سے ان کو دعوت دی جائے! اس حوالے سے یہ حدیث ہم پڑھ چکے ہیں: ((اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ)) کہ دین تو نام ہی خیر خواہی کا ہے' لہٰذا آپ بھی دعوت دیتے وقت نصح وخیر خواہی کو ملحوظ رکھیں۔ اس بارے میں دوسری شرط یہ ہے کہ آپ جس بات کی دعوت دے رہے ہیں اس پر خود بھی عمل پیرا ہوں' ورنہ آپ کی دعوت غیر مؤثر رہے گی۔

دعوت وتبلیغ کے ضمن میں تیسری ذیلی سطح اُن لوگوں کا مقابلہ اور ان کے خلاف جدوجہد کرنا ہے جو باقاعدہ ٹریننگ لے کر لوگوں کو گمراہ کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ جیسے عیسائی مبلغین لوگوں کو عیسائی بنانے کے لیے کوشاں ہیں اور انہیں بہت فنڈز دیے جاتے ہیں۔ عیسائی مشنریز کے بجٹ حکومتوں کے بجٹ کی طرح ہوتے ہیں۔ اسی طرح قادیانی مبلغین کی جو ٹریننگ ہوتی ہے اور انہیں جس طریقے سے پڑھایا سکھایا جاتا ہے' عام علماء ان سے بات نہیں کر سکتے جب تک خاص اس موضوع پر ان کو بھی ٹریننگ نہ دی گئی ہو۔ لہٰذا ان بگڑے تگڑوں کا مقابلہ کرنے کے لیے آپ کو بھی اسی طرح کی ٹریننگ حاصل کرنی ہوگی۔

جہاد کی دوسری منزل اور سورۃ النحل کی آیت ۱۲۵

دعوت وتبلیغ کے حوالے سے جدوجہد کے تین لیول ہو گئے۔ قرآن مجید کی ایک آیت میں ان تینوں کو جمع کر دیا گیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَ الۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ وَ جَادِلۡہُمۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ ؕ﴾ (النحل:۱۲۵)

"آپؐ دعوت دیجیے اپنے رب کے راستے کی طرف دانائی اور اچھی نصیحت کے ساتھ اور ان سے بحث کیجیے بہت اچھے طریقے سے۔"

اس آیت میں اپنے رب کے راستے کی طرف بلانے یعنی دعوت وتبلیغ کے تین لیول بیان کیے گئے ہیں: (i) بِالۡحِکۡمَۃِ دانائی' حکمت' دلائل اور براہین کے ساتھ تبلیغ کرنا۔ یہ پہلی سطح کے لوگوں یعنی معاشرے کے اعلیٰ تعلیم یافتہ' دانشور اور اشرافیہ طبقے کے لیے ہے۔ (ii) وَالۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ اچھے وعظ اور اچھی نصیحت کے ساتھ تبلیغ کرنا' یعنی بات دل سے نکلے اور مخاطب کے دل میں اتر جائے۔ اس لیے کہ دماغ کی رکاوٹ (barrier) زیادہ تر پہلی سطح کے ذہین اور تعلیم یافتہ لوگوں میں ہوتی ہے کہ وہ ہر بات کو دلائل کے ترازو میں تولتے ہیں۔ لہٰذا آپ پہلے ان کے دماغ کے بیریئر کو عبور کریں گے تو پھر ان کے دلوں تک پہنچیں گے۔ لہٰذا یہ وعظ ونصیحت پہلی سطح کے لیے نہیں' بلکہ عوام کے لیے ہے' اس لیے کہ ان میں عقل کا حجاب ہے ہی نہیں' تو دل سے نکلی بات دل پر جا اُترتی ہے۔

اس ضمن میں یہ بھی یاد رہنا چاہیے کہ اچھا وعظ وہ ہے جس پر انسان خود بھی عمل پیرا ہو۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَ مَنۡ اَحۡسَنُ قَوۡلًا مِّمَّنۡ دَعَاۤ اِلَی اللّٰہِ وَ عَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِیۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ﴿۳۳﴾﴾ (حٰمٓ السجدۃ) "اور اُس شخص سے بہتر بات اور کس کی ہوگی جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں"۔ یعنی وہ یہ دعویٰ نہ کرے کہ میں کوئی بہت بڑا مربی یا مزکی ہوں یا یہ کہ میں روحانیت کے بہت اونچے مقام پر فائز ہوں' بلکہ وہ کہے کہ میں بھی عام مسلمان ہوں اور تمہیں اسلام کی دعوت دے رہا ہوں۔ میں اپنے آپ کو کوئی سپر ہیومن نہیں سمجھتا۔ میں

نے آپ کو کئی دفعہ نوٹ کرایا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے کبھی اپنے آپ کو سپر ہیومن کی حیثیت سے پیش نہیں کیا۔ ''اربعین نووی'' کی حدیث نمبر ۲۹ میں یہ الفاظ موجود ہیں کہ جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ رات بھر کے سفر کی وجہ سے لوگ فجر کی نماز پڑھ کے جب چلے ہیں تو اپنی سواریوں پر اونگھ رہے تھے تو اس وجہ سے ان کی اونٹنیاں بے مہار ہو کر اِدھر اُدھر پھیل گئی ہیں۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: ((اَنَا کُنْتُ نَاعِسًا)) ہاں بھئی! میں تو خود بھی اونگھ رہا تھا۔ حضور ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ کیوں اونگھ رہے تھے' بلکہ فرمایا کہ میں بھی اونگھ رہا تھا اور جو بشری تقاضے ہیں وہ مجھ پر بھی ہیں۔ لہٰذا دعوت کے ضمن میں یہ پہلو اہم ہے کہ عام آدمیوں کے اندر عام آدمی بن کر دعوت دی جائے' یہ نہ ہو کہ ان کے اوپر آپ اپنے تقویٰ' زہد اور درجہ احسان کا کوئی رعب گانٹھیں۔ اس طرزِ عمل سے وہ آپ کے قریب آنے کے بجائے' آپ سے بددل ہو کر اسلام سے اور دور ہو جائیں گے۔

تیسری چیز اس آیت میں یہ بیان ہوئی: ''جَادِلۡهُمۡ بِالَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ'' کہ بعض اوقات آپ کو مناظرہ اور مجادلہ بھی کرنا پڑے گا اور یہ دراصل تیسری سطح کے لوگوں کے لیے ہے جو تربیت یافتہ اور ماہر مبلغین ہوتے ہیں۔ جیسے انیسویں صدی کے اختتام پر مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے ہندوستان میں پادری فنڈر کو شکست دی تھی۔ ورنہ اگر وہ بات نہ ہوتی تو شاید ہندوستان کے سارے مسلمان عیسائی ہو جاتے۔ فنڈر کلکتہ سے چل کر دہلی تک آ گیا اور ہر جگہ علماء کو شکستیں دیں' اس لیے کہ ہمارے علماء تو بائبل پڑھتے ہی نہیں' نہ تورات پڑھی اور نہ انجیل' جبکہ عیسائی پادری تو پورے قرآن مجید کو پڑھ کر' سمجھ کر' عربی زبان سیکھ کر اور پوری طرح تیار ہو کر آتے تھے تو ہمارے علماء ان کا کیسے مقابلہ کر سکتے تھے؟ مناظرہ کے لیے پہلے مکمل تیاری ہونی چاہیے۔ اگر وہ آپ کے قرآن پر حملہ کر رہے ہیں تو آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ انجیل کے کون کون سے مقامات ہیں جہاں پر آپ انہیں جھول دکھا سکتے ہیں۔ اِس دور میں شیخ احمد دیدات مرحوم نے یہ کام کیا اور اب ڈاکٹر ذاکر نائیک یہ کام کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر ذاکر نائیک خاص طور پر ہندومت کے خلاف ان کی کتابوں اور ان کے حوالوں سے ان پر حجت قائم کر رہے ہیں۔ تو اس

حوالے سے فرمایا گیا کہ اگر کبھی مجادلہ اور مناظرہ کی نوبت آئے تو وہ اچھے طریقے سے ہونا چاہیے۔ اگر مدمقابل تمہیں گالی دے' تم تب بھی گالی مت دینا۔ وہ اللہ کو برا بھلا کہیں تو تم ان کے معبودوں کو برا بھلا مت کہنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی حمیت بھڑک اٹھے اور وہ تمہاری بات ہی سننے سے انکار کر دیں' بلکہ ہونا یہ چاہیے کہ اچھے طریقے سے ان کے جذبات واحساسات کا پاس کرتے ہوئے ان سے بات کی جائے۔ اس طرح یہ دوسرے لیول کے جہاد کے تین sub level ہو گئے: (i) تعلیم یافتہ اور اشرافیہ طبقے کو دعوت و تبلیغ' (ii) عوام الناس کو دعوت و تبلیغ' اور (iii) تربیت یافتہ' ایکسپرٹ اور بگڑے تگڑوں کو دعوت و تبلیغ۔

جہاد کی تیسری منزل اور اس کی تین ذیلی سطحیں

اب آیئے جہاد کی تیسری منزل کی طرف اور وہ ہے انقلاب برپا کر کے پرانے نظام کو ختم کرنا اور اللہ کے دین کو قائم کرنا۔ یہ سب سے مشکل مرحلہ ہے۔ یوں سمجھئے کہ جہاد کا درخت جو یقین والے ایمان سے پھوٹا تھا' اب وہ اپنی چوٹی کو پہنچ رہا ہے۔ ہر نظام کے ساتھ کچھ لوگوں کے وابستہ مفادات (vested interests) ہوتے ہیں اور وہ یہی چاہتے ہیں کہ ہمارے نظام کو کوئی نہ چھیڑے۔ کیا جاگیردار کبھی پسند کرے گا کہ جاگیرداری نظام کو ختم کر دیا جائے؟ دنیا کے اندر جو بھی نظام رائج ہیں ان میں چند طبقات کو خاص مراعات حاصل ہوتی ہیں اور وہ کبھی بھی اپنی مراعات چھوڑنے کو تیار نہیں ہوتے۔ چنانچہ اس مرحلہ میں تصادم اور ٹکراؤ ناگزیر ہے۔ اس سے پہلے تو سارا معاملہ اندر ہی اندر ہو رہا تھا۔ پہلے مرحلے پر نفس اور شیطان کے خلاف جہاد تو اندر ہی اندر تھا۔ دوسرے نمبر پر باطل نظریات اور عقائد کے خلاف جہاد میں بھی جنگ اور تصادم نہیں تھا۔ زیادہ سے زیادہ کوئی آپ کو گالی دے جائے گا' برا بھلا کہہ جائے گا' یا جیسے ہمارے ہاں تبلیغی جماعت کو مسجد میں داخل ہونے سے روک دیا جاتا ہے یا ان کے بستر تہہ کروا کر نکال باہر کیے جاتے ہیں' مگر اس مرحلے میں کوئی مارتا نہیں۔ لیکن نظام کو بدلنے کے لیے ہتھیلی پر جان رکھ کر میدان میں آنا پڑے گا۔

جہاد کی اس منزل کی بھی آگے تین ذیلی سطحیں ہیں۔ پہلا ہے غیر فعال مزاحمت (passive resistance)' یعنی اگر وہ تمہیں ٹارچر کریں' ذہنی وجسمانی تشدد کریں تو پہلا مرحلہ یہ ہے کہ اسے برداشت کرو اور کوئی جوابی کارروائی نہ کرو۔ بارہ سال مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کے لیے یہی حکم تھا کہ چاہے کافر تمہارے ٹکڑے کر دیں یا تمہیں زندہ جلا دیں' تم نے اپنے دفاع میں بھی ہاتھ نہیں اٹھانا! یہ اس تصادم کا پہلا مرحلہ تھا اور یہی اصل میں محمدٌ رسول اللہﷺ کی کامیابی کا سب سے بڑا راز ہے۔ سیرتِ مطہرہ کے اس پہلو کو لوگوں نے سمجھا ہی نہیں ہے۔ میری کتاب ''منہجِ انقلابِ نبویﷺ'' کا مطالعہ کیجیے اور جانیے کہ رسول اللہﷺ کے انقلاب کا منہج کیا تھا اور اس کے مراحل کون کون سے تھے۔ ابتدائی بارہ برس تک حکم یہی تھا کہ کوئی جوابی کارروائی نہیں کرنی!

اس زمانے میں جور وستم (persecution) کا ایک انداز زبانی (verbal) بھی تھا۔ مثلاً کسی نے آ کے کسی مسلمان کو گالی دی ہے' کسی نے کہا کہ پاگل ہو گئے ہو یا تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ حضورﷺ کو بھی (نعوذ باللہ) یہ سب کہا گیا کہ پاگل ہو گئے ہیں' مجنون ہیں' ان پر جادو کا اثر ہے' وغیرہ۔ یہ سب کہا گیا ہے' لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلًا ۝۱۰﴾ ''(اے نبیﷺ!) جو کچھ یہ لوگ کہہ رہے ہیں اس پر آپ صبر کیجیے اور ان کو چھوڑ دیجیے بڑی خوبصورتی سے کنارہ کشی کرتے ہوئے''۔ ظاہر ہے کہ آپﷺ کو ان جملوں سے سخت تکلیف بھی پہنچتی تھی۔ سورۃ الحجر کے آخر میں فرمایا: ﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّکَ یَضِیْقُ صَدْرُکَ بِمَا یَقُوْلُوْنَ ۝۹۷﴾ ''اور ہم جانتے ہیں کہ آپ کا سینہ تنگ ہوتا ہے ان کی باتوں سے''۔ یعنی آپﷺ کا دل دکھتا ہے کہ یہی وہ لوگ تھے جو میرے قدموں میں اپنی آنکھیں بچھاتے تھے اور مجھے الصادق اور الامین کہتے تھے' آج یہ مجھے جھوٹا اور شاعر کہہ رہے ہیں۔ اس پر آپ کو سخت کوفت ہوتی تھی۔ لیکن اس وقت حکم یہی تھا کہ کفار کی طرف سے جو بھی اذیت آئے' چاہے وہ زبانی ہو یا جسمانی' بہرصورت اسے جھیلو اور برداشت کرو۔ یہ جہاد کے تیسرے مرحلے کی پہلی ذیلی سطح ہے۔

اس کے بعد ایک وقت آتا ہے جبکہ داعی کے ساتھ تعداد کافی ہو جاتی ہے اور اب اس کے لیے اس نظام کو للکارنا ممکن ہو جاتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ دو چار سو آدمیوں سے نظام کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ آج کل کے حساب سے تو لاکھوں آدمی چاہئیں۔ اب اگر داعی کو اندازہ ہے کہ معتدبہ تعداد موجود ہے تو اب وہ اس نظام کے خلاف کوئی عملی حرکت کرے اور فعال مزاحمت (active resistance) کا آغاز کرے۔ یہ ہے جہاد کے تیسرے مرحلے کی دوسری ذیلی سطح۔

اس کے بعد آخری سطح پر آ کر حق و باطل کا تصادم ہو گا اور اس تصادم میں جانیں بھی جائیں گی۔ یہ دوطرفہ تصادم بھی ہو سکتا ہے' جیسے ہمیں حضور اکرمﷺ کی سیرت میں نظر آتا ہے' اور یہ یک طرفہ تصادم بھی ہو سکتا ہے۔ آج کے دور میں یک طرفہ تصادم اور یک طرفہ جنگ کی شکل سامنے آئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ آپ کسی پر ہاتھ نہ اُٹھائیں لیکن نظام (system) کو بلاک کر دیں۔ یعنی دھرنا دیں' گھیراؤ کریں اور نظام کو مفلوج کر دیں۔ یہ نوبت پاکستان میں آج تک نہیں آئی' البتہ اہل تشیع نے ایک دفعہ یہ کر کے دکھایا ہے۔ ضیاء الحق کے زمانے میں پچاس ہزار کی تعداد میں انہوں نے سیکرٹیریٹ کا گھیراؤ کر لیا اور کہا کہ یہاں سے ہم تب تک نہیں اٹھیں گے جب تک ہمیں یہ گارنٹی نہ دی جائے کہ ہم سے زکوٰۃ نہیں لی جائے گی۔ زکوٰۃ ہم آپ کو نہیں دیں گے' ہم جہاں دیتے ہیں وہیں دیں گے —— ان کی زکوٰۃ ان کے مراجع یعنی ایران اور عراق میں موجود ان کے بڑے بڑے علماء کو جاتی ہے اور وہ عام آدمی کے لیے نہیں ہے —— بہرحال انہوں نے یہ کر کے دکھایا اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر ضیاء الحق کو ان کا مطالبہ ماننا پڑا۔

آج کے دور میں یک طرفہ تصادم کی یہ نئی شکل پیدا ہوئی ہے۔ یوکرائن میں اسی طریقے سے انقلاب آ گیا۔ جب لوگوں کے سیلاب نے پارلیمنٹ پر حملہ کر دیا تو ان کا صدر پچھلے دروازے سے جان بچا کر بھاگ گیا۔ یہی جارجیا میں ہوا اور یہی لاطینی امریکہ کے کئی ممالک میں ہو چکا ہے۔ یہ یک طرفہ تصادم دنیا میں ہو رہا ہے' لیکن ہمیں اپنی جان دینے کے لیے تیار رہنا پڑے گا۔ ہو سکتا ہے کہ حکومت حکم دے اور آپ

کے اوپر گولیاں چل جائیں اور آپ کو اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنا پڑے۔

جان دی' دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا!

اب یہ جہاد سے آگے بڑھ کر قتال کا مرحلہ آ گیا اور یہ جہاد کا آخری اور سب سے اونچا درجہ ہے۔ اس کے لیے آغازِ خطاب میں سورۃ الصّف کی یہ آیت بھی تلاوت کی گئی تھی: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ﴿۴﴾﴾ ''اللہ کو تو محبوب ہیں وہ بندے جو اُس کی راہ میں صفیں باندھ کر قتال کرتے ہیں' جیسے کہ وہ سیسہ پلائی دیوار ہوں۔''

دینی فرائض کے حوالے سے میں نے تین منزلہ عمارت کی مثال دی ہے۔ اس میں ظاہر بات ہے کہ پہلی منزل سے اوپر چڑھنے کے لیے سیڑھی چاہیے تو وہ جہاد کا پہلا مرحلہ ہے۔ دوسری منزل سے اوپر جانے کے لیے پھر آپ کو سیڑھی چاہیے تو یہ جہاد کا دوسرا مرحلہ ہے۔ پھر آخری منزل پر جانے کے لیے بھی سیڑھی چاہیے تو وہ جہاد کا تیسرا مرحلہ ہے۔

جہاد کا ذریعہ: قرآن مجید!

آخری بات یہ ہے کہ آپ کے پاس جہاد کرنے کے لیے ہتھیار اور ذریعہ کیا ہے؟ —— یہ قرآن مجید ہے۔ لہٰذا قرآن مجید پڑھو اور اسے اپنے اندر اتارو۔ جیسے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا:

﴿يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ﴿۱﴾ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۲﴾ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ﴿۳﴾ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ﴿۴﴾﴾

''اے کمبل میں لپٹ کر لیٹنے والے (ﷺ)! آپ کھڑے رہا کریں رات کو (نماز میں) سوائے اس کے تھوڑے سے حصے کے۔ (یعنی) اس کا آدھا یا اس سے تھوڑا کم کر لیجیے۔ یا اس پر تھوڑا بڑھا لیں اور ٹھہر ٹھہر کر قرآن پڑھتے جایئے۔''

یہ قرآن نور ہے اور جتنا نور باطن کے اندر جائے گا اتنی ہی اندر کی تاریکیاں چھٹتی جائیں

گی۔ نفس کے خلاف جہاد کے لیے ہتھیار بھی قرآن ہے اور دعوت و تبلیغ میں ہتھیار بھی قرآن ہی ہے' اس لیے کہ قرآن میں حکمت ہے: ﴿ذٰلِكَ مِمَّاۤ اَوْحٰۤى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ﴾ (بنی اسرائیل: ۳۹) ''یہ ہے جو (اے محمد ﷺ!) آپ کے رب نے آپ کی طرف وحی کی ہے حکمت میں سے''۔ قرآن سے حکمت سیکھو اور حکمت کی سطح پر دعوت و تبلیغ دو۔ قرآن سے وعظ حاصل کرو اور اس وعظ کے ذریعے سے دعوت و تبلیغ دو۔ قرآن مجید سے سمجھو کہ مشرکین کے خلاف کیسے مناظرہ ہوا' منافقین کے ساتھ کیسے ہوا' اہل کتاب کے ساتھ کیسے ہوا اور پھر اسی کے حساب سے خود بھی تیاری کرو۔ یہ سب قرآن مجید میں موجود ہے۔ گویا جہاد کے تینوں levels کے لیے ہتھیار قرآن ہے۔ اسی لیے سورۃ الفرقان میں فرمایا گیا: ﴿فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿۵۲﴾﴾ ''تو (اے نبی ﷺ!) آپ ان کفار کا کہنا نہ مانیے اور آپ ان کے ساتھ جہاد کریں اس (قرآن) کے ذریعے سے بڑا جہاد''۔ اکیلے میں جو جہاد ہو رہا تھا —— چاہے وہ نفس کے خلاف تھا' چاہے وہ باطل عقائد اور باطل لغویات کے خلاف تھا —— وہ جہاد بالقرآن تھا' یعنی قرآن کے ذریعے سے جہاد ہو رہا تھا۔

جہاد کے لیے اجتماعیت کی ضرورت

ایک بات اور نوٹ کیجیے کہ پہلی سطح کے جہاد کے لیے کسی جماعت یا کسی اجتماعیت کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ تو آپ کو اپنے ہی اندر سے جنگ کرنی ہے۔ میں آپ کے نفس کے خلاف جہاد نہیں کر سکتا اور نہ آپ میرے نفس کے خلاف جہاد کر سکتے ہیں۔ البتہ اگر ایک جماعت موجود ہو تو اس سے سہولت ہو جاتی ہے۔ آپ بھی اسی کشمکش میں لگے ہوئے ہیں اور میں بھی لگا ہوا ہوں تو میں دیکھوں گا کہ یہ میرا بھائی آگے نکل گیا ہے تو میں بھی زیادہ کوشش کروں گا۔ اسی طرح دوسرے مرحلے پر یعنی دعوت و تبلیغ کے لیے بھی جماعت لازم نہیں ہے۔ البتہ ادارے ہونے چاہئیں۔ جیسے ہماری انجمن خدام القرآن ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کی تبلیغ و اشاعت کے لیے اور بھی بہت سی انجمنیں ہیں' مثلاً اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن (IRF) ہے جو آج بہت بڑا ادارہ بن گیا ہے۔ الہدیٰ ایک

ادارہ ہے جو خواتین کے اندر قرآن مجید کا علم پھیلا رہا ہے۔ لیکن تیسرے مرحلے پر یعنی جہاد بالسیف‘ جہاد بالید — جس کا نام قتال ہے — کے لیے جماعت شرطِ لازم ہے۔ یہ انفرادی طور پر نہیں ہوسکتا‘ بلکہ اس کے لیے سمع و طاعت والی جماعت ضروری ہے۔ حضرت حارث الاشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَنَا آمُرُکُمْ بِخَمْسٍ، اللّٰہُ اَمَرَنِی بِھِنَّ : بِالْجَمَاعَۃِ، وَالسَّمْعِ، وَالطَّاعَۃِ، وَالْھِجْرَۃِ، وَالْجِھَادِ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ)) (۱)

’’میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں۔ اللہ نے مجھے ان کا حکم دیا ہے۔ یعنی جماعت‘ سننا‘ اطاعت کرنا‘ ہجرت‘ اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔‘‘

یہ جماعت کا لزوم اصل میں آخری درجے کے لیے ہے۔ پہلے درجے کے لیے جماعت ضروری نہیں ہے‘ صرف صحبتِ صالح کافی ہے۔ دوسرے درجے کے لیے ادارے‘ انجمنیں‘ فاؤنڈیشن اور نشر و اشاعت کے ادارے وغیرہ کافی ہیں۔ لیکن تیسرے لیول کا جہاد جماعت کی شکل میں ہوگا اور جماعت اگر حضور ﷺ کے نقشِ قدم پر قائم کرنی ہے تو وہ بیعت کی بنیاد پر ہوگی۔ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

بَایَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ عَلَی السَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ، فِی الْعُسْرِ وَالْیُسْرِ، وَالْمَنْشَطِ وَالْمَکْرَہِ، وَعَلٰی اَثَرَۃٍ عَلَیْنَا، وَعَلٰی اَنْ لَا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَھْلَہٗ، وَعَلٰی اَنْ نَقُوْلَ بِالْحَقِّ اَیْنَمَا کُنَّا، لَا نَخَافُ فِی اللّٰہِ لَوْمَۃَ لَائِمٍ (۲)

’’ہم نے اللہ کے رسول ﷺ سے بیعت کی کہ ہم سنیں گے اور اطاعت کریں گے‘ خواہ آسانی ہو یا مشکل‘ خواہ ہماری طبیعت آمادہ ہو یا ہمیں اس پر جبر کرنا پڑے‘ اور خواہ دوسروں کو ہمارے اوپر ترجیح دے دی جائے۔ ہم اصحابِ اختیار سے

---

(۱) سنن الترمذی‘ ابواب الامثال عن رسول اللہ ﷺ‘ باب ما جاء فی مثل الصلاۃ والصیام والصدقۃ۔ ومسند احمد‘ مسند الشامیین:۱۶۷۱۸ واللفظ لہ۔

(۲) صحیح البخاری‘ کتاب الاحکام‘ باب کیف یبایع الامام الناس ‘وکتاب الفتن‘ باب قول النبی ﷺ سترون بعدی امورًا تنکرونھا۔وصحیح مسلم‘ کتاب الامارۃ‘ باب وجوب طاعۃ الامیر فی غیر معصیۃ ......

جھگڑیں گے نہیں‘ لیکن سچ بولیں گے جہاں کہیں بھی ہم ہوں گے‘ اور اللہ کے معاملے میں کسی بھی ملامت کرنے والے کی ملامت سے بے خوف رہیں گے۔‘‘

فرائض دینی کے جامع تصور کے حوالے سے جو کمی رہ گئی تھی‘ وہ اب پوری ہوگئی ہے‘ بایں طور کہ میں نے اس سہ منزلہ عمارت میں ایک سیڑھی کا اضافہ کیا ہے اور وہ جہاد ہے۔ پھر اس کے تین لیولز اور آگے ان تین لیولز کے سب لیولز ہیں۔ لیکن ان میں مشترک بات یہ ہے کہ ان ساری سطحوں پر جہاد میں اصل ذریعہ قرآن ہے اور اہم بات یہ ہے کہ تیسرے مرحلے میں جان ہتھیلی پر رکھ کر (چاہے دوطرفہ جنگ ہو یا یکطرفہ) اپنی جان دینے کے لیے تیاری کرنی پڑے گی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں دین کے فرائض کو سمجھنے اور پھر اس پر صحیح معنوں میں عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین!

اقول قولی ھذا واستغفر اللّٰہ لی ولکم ولسائر المُسلمین والمُسلمات

(مرتب: حافظ محمد زاہد‘ ادارتی معاون‘ شعبہ مطبوعات)

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا

جنابِ رسول اللہ ﷺ نے رمضان المبارک کیسے گزارا؟

انجینئر مختار فاروقی

ماہِ رمضان المبارک کا آغاز ہو چکا ہے اور اس بابرکت اور عظیم مہینے کی عبادات کی اہمیت ہر باعمل مسلمان پر واضح ہے۔ تاہم ہمارا عام تصور یہ ہے کہ اس ماہ میں اپنی مصروفیات —— اور ہو سکے تو ہر طرح کے میل جول کو منقطع کر کے بس دن رات عبادات میں لگے رہنا ہی شاید اس ماہِ صیام کا حق ادا کرنا ہے‘ اور اس کی وجہ شاید یہ بھی ہے کہ ہم عام طور پر فضائلِ رمضان المبارک میں احادیث نبوی اور تفصیلات ہی وہ بیان کرتے ہیں جو اسی مزاج کی حامل بھی ہیں اور اسی سوچ کو پختہ تر کرنے والی ہیں۔ ہمارے ہاں گزشتہ پانچ چھ سو سال کے بزرگانِ دین کے تذکروں میں جو نقشہ ماہِ صیام کی مصروفیات کا سامنے آتا ہے وہ ایسا ہی ہے کہ بس اسلاف کا طریقہ یہ ہے کہ اس ماہ ہر قسم کا سفر ترک کر دیا جائے اور عوام سے میل ملاقات میں وقت لگانے کی بجائے بس عباداتِ الٰہی اور نیکی کرنے میں وقت گزارا جائے۔

اللہ تعالیٰ کے کلام قرآن مجید کے سیاقِ کلام میں دیکھیں تو یہاں عبادتِ صوم اور ماہِ صیام کی مصروفیات اور تفصیلات کے بیان والے رکوع سے چند رکوع پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ ہے‘ اور ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ کے جدامجد حضرت اسماعیل علیہ السلام کا —— تعمیرِ کعبہ کا ذکر —— اور پھر عظیم المرتبت دعا کا —— جس کی قبولیت میں تو اگرچہ ۲۵۰۰ سال لگ گئے مگر کامل اور اکمل ترین نبی‘ بلند پایہ رسول اور ختم المرسلین حضرت محمد ﷺ تشریف لائے۔ بقول حالی ؎

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا　　دعائے خلیلؑ اور نویدِ مسیحؑا

پھر آپ ﷺ کی مدنی زندگی کے آغاز پر ہی اسی بیت اللہ کی تولیت کی —— ’’حق بحق دار رسید‘‘ کے مصداق —— سپردگی یعنی تحویلِ قبلہ کا تذکرہ ہے اور اس کی آئندہ مسلمانوں کی زندگی میں

1

مرکزی اہمیت کا —— کہ ہر روز نمازِ پنجگانہ کے لیے تم مسلمانو! جہاں کہیں بھی ہو تمہیں اس قبلہ کی طرف رخ کرنا ہوگا۔

اس اہم ہدایت کی بعد شانِ رسالت مآب ﷺ کا ذکر ہے کہ آپ کی تشریف آوری سے پہلے تم حقیقت سے واقف نہیں تھے۔ یہ آپ ﷺ کی شانِ اَقدس ہے کہ آپ انہیں وہ باتیں عام انداز میں سکھا رہے ہیں جو یہ جانتے نہیں تھے۔ اور اس شاندار تذکرے کے ساتھ ہی صبر اور صلوٰۃ کا ذکر ہے —— بالواسطہ جنگوں اور کفار سے مقابلے کا ذکر ہے اور اس راہ میں شہادت کے اعلیٰ مقام کا ذکر ہے کہ شہید تو زندہ ہوتے ہیں‘ انہیں مُردہ نہ کہو۔

اس پس منظر میں بات یہود کے تذکرے سے ہوتی ہوئی آیاتِ الٰہی اور غلط قیادتوں اور الائمۃ المُضِلُّون کی ملمع سازیوں کے حوالے کے بعد شیطان کے ذکر پر آتی ہے‘ حلال وحرام اور یہود کے انکارِ قرآن مجید پر رکوع ختم ہوتا ہے۔

اب یہاں ’’نیکی کی حقیقت‘‘ کا تذکرہ ہے‘ یہود کے معہودِ ذہنی کی نفی —— کہ مشرق و مغرب کی طرف منہ کرنا ہی کل نیکی نہیں بلکہ نیکی تو اللہ اور آخرت کو اور پیغمبر یعنی حضرت محمد ﷺ کو ماننے میں ہے‘ اور آپ ﷺ جو نیکی کا تصور لائے ہیں اس میں جہاد اور قتال ہی نیکی کی اعلیٰ شکل ہے‘ جیسا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی تفصیلی روایت جو سفر تبوک سے متعلق ہے سامنے آتی ہے۔

بعد ازاں اسی جہاد سے پیدا شدہ مسائل یعنی شہادتوں کے بعد وراثت اور دیگر تفصیلات کے بعد روزے کی فرضیت اور اس کے احکام اور حکمتیں مذکور ہیں اور اس رکوع میں روزے کی عبادت کے ساتھ تجرد کی زندگی کی تخفیف اور متاہل زندگی کی بلند شان کا اشارہ ہے اور ساتھ ہی کسبِ حلال اور اکلِ حلال کا ذکر ہے۔ اس رکوع کے بعد حج اور ساتھ ہی پھر جنگ کا ذکر ہے۔ گویا قرآن مجید میں سیاق وسباق —— جہاد‘ جنگ اور اس کے متعلقہ مسائل ہی کے درمیان ماہِ صیام کا ذکر ہے اور اس ماہ کی فضیلت اور قرآن مجید کی فضیلت کا ذکر ہے۔

اب تک کی گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ روزہ ایک تربیت ہے اور قرآن مجید کا تراویح میں سننا ایک روحانی ترقی کا ذریعہ ہے‘ مگر سوال یہ ہے کہ یہ ساری محنت ومشقت کس مقصد کے لیے ہے؟ یہ تیاری آئندہ کن مشکل مراحل کی طرف اشارہ کر رہی ہے؟ —— اس استخراج کی کوشش راقم خود اپنے ناقص ذہن سے کرے گا تو ایک ناپاک جسارت اور چھوٹا منہ اور بڑی بات ہوگی‘

جس کا راقم اپنے دین وایمان کی حفاظت کی خاطر سوچ بھی نہیں سکتا کہ دینی معاملات میں کوئی بات خیر القرون سے ہٹ کر یا بلا دلیل کی جائے۔

آیئے —— اس ساری بحث کو نتیجہ خیز بنانے کے لیے سیرت النبی ﷺ کے ماہ وسال اور رسالت مآب ﷺ کے پیغمبرانہ کارناموں کی روشنی میں دیکھتے ہیں کہ ہمارے آقا حضرت محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے رمضان المبارک کیسے گزارے اور آپ ﷺ کے ساتھیوں یعنی صحابہ کرام ؓ نے آپ کی معیت اور اتباع میں یہ وقت کیسے صرف کیا۔

یہ بات طے ہے کہ رمضان المبارک کے روزے ۲ ہجری میں فرض ہوئے اور اس کے احکام دو تین سالوں میں مکمل ہوئے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں سورۃ البقرہ کا رکوع ۲۳ خود اشارہ کر رہا ہے کہ اس کی آیات میں زمانہ نزول کا فصل موجود ہے۔

اب ۲ ہجری کے رمضان المبارک سے آپ ﷺ کے وصالِ مبارک یعنی ربیع الاول ۱۱ ہجری تک، ۹ ماہِ صیام آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں آئے ہیں۔ یہ ۹ ماہِ صیام آپ نے کیسے اور کن حالات میں گزارے اور اپنے ساتھیوں (رضی اللہ عنہم) کی کیا تربیت فرمائی اور کیا پیغام دیا؟ وہ سیرت النبی ﷺ کی کتابوں کے حوالے سے دیکھتے ہیں۔

رمضان المبارک ۲ ہجری

یہ پہلا ماہِ صیام ہے، بڑے ذوق وشوق سے مدینہ منورہ میں اس عبادت کا آغاز ہوا، اہتمام کیا گیا۔ ساتھ ہی مکہ میں جو وادیٔ نخلہ میں مہم حضرت عبداللہ بن جحش ؓ کی سرکردگی میں روانہ کی گئی تھی اور ان کے ہاتھوں یکم رجب ۲ھ کو ایک کافر مارا گیا تھا اس کے اثرات اور ردّعمل مکہ میں جاری تھا اور نبی اکرم ﷺ اس پر کڑی نگاہ رکھے ہوئے تھے۔ ابوسفیان کی زیر قیادت جو قافلہ ملک شام جارہا تھا (جمادی الاولیٰ ۲ ہجری، مطابق نومبر ۶۲۵ء میں) اس کے تعاقب کے لیے ایک مہم روانہ کر چکے تھے۔

اب وہ قافلہ بھی واپس آرہا تھا، اس کی اطلاعات تھیں اور قریش بھی جوش انتقام میں جل بھن کر جنگی تیاریوں میں مصروف تھے کہ آپ ﷺ رمضان المبارک کے دوسرے ہفتے میں ۳۱۳ جاں نثاروں کو ساتھ لے کر نہایت قلیل تیاری کے ساتھ قافلے کا راستہ روکنے کا ارادہ کر کے مدینہ سے نکلے اور اس سفر میں ہی اللہ تعالیٰ نے فتح کا وعدہ فرمایا اور اپنی تدبیر سے اہلِ ایمان اور کافروں کو بدر پہنچا دیا، جہاں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تاریخی فتح دے کر ''یومِ بدر'' کو

''ایام اللہ'' میں سے اہم دن بنا دیا۔ یہ واقعہ ۱۷ رمضان المبارک کا ہے۔ گویا یہ پہلا رمضان المبارک جنگ بدر کی طرف پیش قدمی اور جنگ کے بعد کے حالات سے نپٹتے نپٹتے گزر گیا۔ مسلمانوں کی پہلی عید —— میدانِ بدر کی شاندار کامیابی، سورۃ الروم میں موعود یہود ونصاریٰ کی فتح کی خوش خبری کا مدینہ پہنچنا اور بدر کی فتح پر آس پاس کے علاقوں سے تہنیتی وفود کے جلو میں گزری۔ ؎

عیدِ آزاداں شکوہِ ملک و دیں
عیدِ محکوماں ہجومِ مؤمنیں

رمضان المبارک ۳ ہجری

رمضان المبارک ۳ ہجری آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ ؓ نے مدینہ میں گزارا۔ اس دوران میں قریش کی سال بھر کی جنگی تیاریوں کی تکمیل کی اطلاعات آرہی تھیں اور رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب ؓ کے ساتھ مشوروں میں وقت گزار رہے تھے کہ یکا یک آپ ﷺ کو ایک قاصد کے ذریعے مکہ سے تین ہزار افراد کا لشکر روانہ ہونے کی اطلاع ملی جو بھرپور تیاری کے ساتھ روانہ ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے تحمل سے مشورے کیے اور دفاعی اور جنگی منصوبہ بندی فرمائی۔ مدینہ منورہ اُس وقت یہود کی سازشوں کا گڑھ بنا ہوا تھا اور منافقین اضافی طور پر مسلمانوں کے لیے مارِ آستین کا کام کر رہے تھے۔ سورۂ آلِ عمران میں یہود کی سازشوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ الفاظ کی سختی ہی بتا رہی ہے کہ صورت حال کس قدر سنگین تھی۔

﴿الٓمّٓ ① اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ② نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ③ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ④ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ ⑤﴾ (آل عمران)

''اَل م۔ اللہ (جو معبودِ برحق ہے) اُس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، زندہ ہمیشہ رہنے والا۔ اُس نے (اے نبی ﷺ!) تم پر سچی کتاب نازل کی جو پہلی (آسمانی) کتابوں کی تصدیق کرتی ہے، اور اُسی نے تورات اور انجیل نازل کی، (یعنی) اس سے

پہلے لوگوں کی ہدایت کے لیے اور (پھر حق اور باطل کو) الگ الگ کر دینے والا (قرآن) نازل کیا۔ یقیناً جو لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں ان کو سخت عذاب ہوگا' اور اللہ زبردست (اور) بدلہ لینے والا ہے۔ اللہ (ایسا خبیر و بصیر ہے کہ) کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں' نہ زمین میں اور نہ آسمان میں۔''

اغلباً یہی دور ہے کہ جب آپ ﷺ مسلمانوں کے ان امور اور جنگی تیاری کے معاملات پر کثرت سے مشورے کرتے رہتے تھے۔ اسی صورت حال کا ذکر ایک روایت میں یوں آیا ہے:

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ ؓ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَسْمُرُ مَعَ أَبِي بَكْرٍ فِي الْأَمْرِ مِنْ أَمْرِ الْمُسْلِمِينَ وَ أَنَا مَعَهُمَا (سنن الترمذی)

''حضرت عمر بن خطاب ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر ؓ کے ساتھ رات کے وقت مسلمانوں کے مسائل کے بارے میں گفتگو کرتے تھے اور میں ان کے ساتھ ہوتا تھا۔''

اس سے آپ صورت حال کی سنگینی کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

رمضان المبارک کے آخری ایام اور عید الفطر اسی منصوبہ بندی میں گزارے' قریش کا لشکر ۶ شوال ۳ھ کو مدینہ اترا' آپ ﷺ نے صحابہ ؓ کے ساتھ باہر نکل کر رات گزاری اور ۷ شوال ۳ھ کو جنگ اُحد کا دن ہے۔ یہ دن یوں بھی بہت اہم ہے کہ آپ ﷺ زخمی ہوئے' زمین پر گرے اور آپ ﷺ کے دانت مبارک شہید ہوئے۔ اس جنگ میں ۷۰ مسلمانوں نے جامِ شہادت نوش کیا' جن میں حضرت امیر حمزہؓ' حضرت مُصعب بن عمیر اور حضرت حنظلہ ؓ بھی شامل تھے۔ انہی حالات میں شوال ۳ھ میں رسول اللہ ﷺ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمہ ؓ کا نکاح حضرت علی ؓ سے ہوا۔

رمضان المبارک ۴ ہجری

شعبان ۴ ہجری میں کفار کے عہد کے مطابق ایک معرکہ پیش آیا جسے غزوۂ بدر دوم کہتے ہیں' اس میں رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس تشریف لے گئے۔ واپسی پر رمضان کا ماہ مبارک آیا جو آپ ﷺ نے مدینے میں گزارا۔

رمضان المبارک ۵ ہجری

''الرحیق المختوم'' کے مؤلف مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری کے بقول غزوۂ احزاب شوال

۵ھ میں پیش آیا تھا۔ دو تین ماہ قبل سے ہی قریش کی جنگی تیاریوں کی اطلاعات مدینہ پہنچ رہی تھیں۔ عرب بھر سے قریش کے حلیف (اتحادی) قبائل کے لشکر تیار تھے اور مدینہ پر حملہ کے منتظر۔ اس پس منظر میں رسول اللہ ﷺ نے خندق کھودنے کا حکم دیا' یہ آپ کی ذاتی بصیرت کا شاہکار ہے۔ یہ خندق تقریباً ۹ کلومیٹر لمبی تھی اور مسلمانوں نے نہایت جانفشانی سے اس کی کھدائی کی تھی' خود رسول اللہ ﷺ بھی اس میں شریک رہے' سردی کا موسم تھا۔ ماہ رجب' ماہِ شعبان اور رمضان المبارک ۵ھ کا ایک حصہ اسی خندق تیاری میں گزر گیا' اور باقی رمضان المبارک' شوال کا مہینہ لشکر کی آمد اور حملہ کے خطرہ کی کیفیت میں گزرا۔ شوال میں ۲۸ دن یہ محاصرہ رہا' تاہم کفار کا لشکر بغیر فتح کے نامراد لوٹ گیا۔ یہ مسلمانوں کے لیے بڑی کامیابی تھی۔ یہ رمضان المبارک بھی جنگی تیاریوں' رات کے پہروں اور جہاد کے ماحول میں گزرا۔

رمضان المبارک ۶ ہجری

۲ شعبان کو غزوۂ بنی المصطلق کے لیے روانگی ہوئی اور اواخر شعبان میں واپسی۔ اسی غزوہ میں حضرت عائشہ ؓ پر قذف کا واقعہ پیش آیا جس سے ۴۰ روز تک آپ ﷺ گھریلو معاملات میں منافقین کے رویے کی وجہ سے بظاہر سخت غم انگیز کیفیت سے دوچار رہے' پورا رمضان المبارک ظاہری طور پر ایک طرح کی بے سکونی میں گزرا۔ تا آنکہ قرآن مجید کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ ؓ کی براءت فرما دی اور منافقین کی فتنہ انگیزیوں کا پردہ چاک کر دیا۔

رمضان المبارک ۷ ہجری

صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمان عمرہ نہیں کر پائے تھے' اس لیے قضائے عمرہ کے لیے ۷ھ میں روانگی ہوئی۔ صلح کے بعد امن کا زمانہ رہا اور مدینہ تشریف آوری کے بعد یہ پہلا رمضان المبارک ہے جو ہمارے نبی ﷺ نے نہایت سکون کے ساتھ گزارا اور صحابہ ؓ کو روزے کی برکات اور احکام سکھائے۔ اغلباً اس دفعہ شعبان کے آخری دن رمضان المبارک کی آمد پر خطبہ ارشاد فرمایا جو حضرت سلمان الفارسی ؓ سے مروی ہے۔ ۱۳۰ صحابہ ؓ کو ایک مہم کے لیے مقام میفعہ روانہ فرمایا۔

رمضان المبارک ۸ ہجری

۸ ہجری میں رمضان المبارک کی آمد سے پہلے ہی حدیبیہ کا معاہدہ قریش کی بدعہدی کی

وجہ سے ٹوٹ چکا تھا۔ ابوسفیان اس کی تجدید کی کوشش کے لیے مدینہ حاضر ہوئے مگر رسول اللہ ﷺ نے ان سے ملاقات ہی نہیں فرمائی۔ ابوسفیان کی واپسی کے بعد آپ ﷺ نے جنگ کی تیاری کا حکم دے دیا۔ تیاری کے بعد سفر کا آغاز کیا اور دس ہزار کے لشکر کے ساتھ مکہ کے باہر پڑاؤ ڈالا۔ حضرت ابوسفیان ؓ ایمان لے آئے اور پھر نبی اکرم ﷺ مکہ مکرمہ میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے' بغیر جنگ کے مکہ فتح ہو گیا۔ یہ واقعہ ۲۰ رمضان المبارک ۸ ھ کا ہے۔ ۱۵ دن مکہ میں قیام رہا۔ گویا اوائل رمضان المبارک سے ہی مکہ روانگی ہو گئی تھی۔ یہ ماہِ صیام بھی جہاد اور جنگ کی کیفیات میں بسر ہوا۔

رمضان المبارک ۹ ہجری

یہ ماہِ صیام سفر تبوک میں صرف ہوا۔ آپ ﷺ نے پہلے اس جنگ کی تیاری فرمائی۔ نفیر عام دی اور تیس ہزار کا لشکر لے کر مقامِ تبوک روانہ ہوئے۔ ایک ماہ جانے میں صرف ہوا' ایک ماہ کے لگ بھگ وہاں قیام رہا' قیصر روم جنگ میں مقابلہ پر نہیں آیا۔ واپسی کا سفر رمضان المبارک میں ہوا' اور شوال کے اوائل میں مدینہ تشریف آوری ہوئی۔ یہ ماہِ صیام پورا سفر جہاد میں گزرا۔

رمضان المبارک ۱۰ ہجری

یہ ماہِ صیام جو آپ ﷺ کی وفات سے تقریباً چھ ماہ پہلے آیا' آپ ﷺ نے مدینہ میں گزارا اور چونکہ ۸ ھ اور ۹ ھ کے ماہ صیام میں آپ ﷺ مدینہ میں مقیم نہ ہونے کی وجہ سے اعتکاف نہیں کر سکے تھے' اسی لیے آپ ﷺ نے پورے ماہ کا اعتکاف فرمایا۔ واللہ اعلم!

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ:

۱) ماہِ صیام مسلمانوں کی فوجی قسم کی ایک تربیت کرتا ہے اور روحانی برکات تو جو ہیں وہ ہیں ظاہری برکات میں سے بھی ڈسپلن اور نظم وضبط کا عادی بناتا ہے۔ اس نظم وضبط کا ہدف اور استعمال کیا ہے؟ یہ آج کا عام مسلمان اور رہنمایانِ قوم نہیں سوچتے۔ صوفیاء کرام اپنے مریدوں کی تربیت کر رہے ہیں مگر اس تربیت کا ہدف کیا ہے؟ یہ بات بھی بتانا اور عام کرنا ضروری ہے۔ اس تربیت کا ہدف سوائے جہاد فی سبیل اللہ کے کوئی نہیں ہے۔ صوفیائے کرام مصلحتاً مریدین کو یہ ہدف نہیں بتاتے کہ پھر وہ جلد یا بدیر جہاد پر جانے کا

مطالبہ کریں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ تربیت میدان جہاد میں بھی دی اور سفر جہاد میں بھی دی اور روزے کی برکات کا صحیح مصرف اور صحیح استعمال سکھایا۔

۲) آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے مدنی دور میں ۹ ماہ صیام آئے' جن میں رمضان ۲ ھ جنگ بدر میں اور رمضان ۳ ھ جنگ اُحد سے قبل کی تیاری میں صرف ہو گئے۔ رمضان ۵ ھ جنگ احزاب سے قبل خندق کی کھدائی اور جنگی تیاریوں میں گزرا۔ رمضان ۶ ھ غزوۂ بنی المصطلق سے واپسی پر منافقین کی شرارت کے نتیجہ میں واقعہ افک کے پریشان کن حالات اور کرب میں گزرا۔ رمضان المبارک ۸ ھ فتح مکہ کے سفر اور فتح مکہ اور اس کے بعد جنگی انتظامات میں صرف ہو گیا۔ ۹ ھ کا ماہ صیام قیصر روم کے مقابلے میں جنگ کے لیے لشکر کی روانگی' قیام اور واپسی میں گزر گیا۔ صرف ۴ ھ' ۷ ھ' ۱۰ ھ کے تین ماہِ صیام مدینہ منورہ میں حالت امن میں گزرے۔

۳) اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس ماہ کی عبادت کے نتیجے میں حاصل توانائی اور روحانی جذبے اور شوق کا اصل ہدف سوائے جہاد کے اور کچھ نہ تھا۔

۴) کاش آج ہمارا اور ہمارے سارے مسلمان بھائیوں کا رمضان المبارک گزارنے اور اس کی برکات کے حصول کا ہدف ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ کے نقش قدم پر اور صحابہ کرام ؓ کے اِتباع میں جہاد کا شوق اور جذبہ جہاد اجاگر کرنا ہی ہو جائے تو شاید اس سے اُمت مسلمہ کی تقدیر بدل جائے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ!

عظمتِ صیام اور تقلیلِ طعام

جمیل الرحمٰن عباسی' ابرار حسین

روزے کا مقصد تقویٰ کا حصول ہے' اس لیے آغازِ مضمون میں تقویٰ کو سمجھنا ضروری ہے۔ قاضی محمد علی تھانویؒ ''کشاف اصطلاحات الفنون'' میں لکھتے ہیں: ''لغت میں تقویٰ کا معنی خود کو قابلِ خوف چیزوں سے بچانا ہے' البتہ شریعت میں تقویٰ سے مراد اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پیروی کرنا اور اس کی ممنوعات سے اجتناب کرنا' یا بالفاظِ دیگر انسان کا خود کو گناہ سے بچانا' تقویٰ کہلاتا ہے۔''

بعد والے الفاظ پہلی تعریف کے جامع ہیں' کیونکہ گناہ میں ترك المأمور اور فعل المحظور دونوں شامل ہیں۔ پس تقویٰ کا ایک رخ تو یقیناً اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنا ہے' جیسا کہ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو کانٹوں بھری راہ کی مثال دیتے ہوئے واضح فرمایا کہ کانٹوں سے بچ گزرنا ہی تقویٰ ہے۔ لیکن اس کا دوسرا پہلو' جسے عام طور پر اللہ کی فرماں برداری کہا جاتا ہے' بھی تقویٰ کے مفہوم میں شامل ہے۔

ابوالبقاء حنفیؒ ''الکلیات'' میں لکھتے ہیں: ''سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فرمان کے مطابق اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنا اور اس کی اطاعت کی طرف رغبت کرنا تقویٰ ہے اور یہی طرزِ عمل ہے جس کے بدولت انسان دوزخ سے نجات اور جنت کا قرار حاصل کرتا ہے۔''

اس تعریف میں تقویٰ کے دو مفہوم سامنے آ رہے ہیں کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی منع کردہ چیزوں سے رکنا' اس کے دیے گئے احکام کی خلاف ورزی سے بچنا اور اس کے نتیجے کے طور پر دوزخ کے عذاب اور محرومیٔ جنت سے بچنا تقویٰ ہے۔ یہی بات' استاذ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحبؒ اس انداز سے فرمایا کرتے تھے کہ ''دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچو تاکہ آخرت میں اُس کے عذاب سے بچ سکو۔''

علامہ جرجانیؒ نے ''التعریفات'' میں لکھا ہے: ''اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ذریعے سے

اس کے عذاب سے بچاؤ تقویٰ ہے' یا کرنے اور نہ کرنے (فعل و ترک) میں عذابِ الٰہی کا مستحق بننے سے بچنے کی کوشش تقویٰ ہے۔''

معجم لغة الفقهاء میں تقویٰ کے باطن کی طرف ان الفاظ کے ساتھ اشارہ کیا گیا ہے کہ: ''تقویٰ ایک ایسی صفت ہے جو انسان کو اللہ کے احکامات کی پیروی اور اس کے منع کیے گئے امور سے اجتناب پر اُبھارتی ہے''۔(۱)

اس تعریف میں تقویٰ کے ظاہر سے آگے بڑھ کر اس کے باطن کی طرف اشارہ موجود ہے۔ گویا تقویٰ اصل میں ایک جذبے کا نام ہے جو انسان کو اللہ کی نافرمانی سے بچاتا ہے یا اس کی فرمانبرداری میں کھپاتا ہے۔ اسی لیے اسلاف میں سے کئی بزرگ تقویٰ کا ترجمہ لفظ ''ڈر'' سے کیا کرتے تھے۔ اس بات کی تائید حدیث بخاری سے یوں بھی ہوتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے سینۂ اَقدس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تین بار فرمایا: ((اَلتَّقْوٰی هَاهُنَا)) ''تقویٰ تو یہاں ہوتا ہے۔''

چنانچہ ظاہری فرمانبرداری 'تقویٰ' نہیں بلکہ تقویٰ کا مظہر کہلائے گی' جبکہ تقویٰ اس جذبے کو کہا جائے گا جو اس فرمانبرداری کی پشت پر کارفرما اور دل میں موجود ہوتا ہے۔ چوں کہ ظاہر' باطن کا اور جوارح' قلب کا پرتَو بلکہ کیفیات کا مظہر بھی ہوتے ہیں اس لیے تقویٰ کے بیان میں بالعموم اس کے ظاہر یعنی نافرمانی سے اجتناب اور کارِ اطاعت کو ہی بیان کیا جاتا ہے تاکہ تقویٰ کو بہ آسانی پہچانا جا سکے۔ چنانچہ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں ''مقامات واحوال'' کے بیان میں تقویٰ کی تعریف میں لکھا ہے: ''مَلَكَةٌ مدافعة دَاعِيَة مُخَالَفَة الْحُدُود الشَّرْعِيَّة'' یعنی تقویٰ ایک ایسے مَلکہ اور صلاحیت کا نام ہے جو حدودِ شرعیہ کی مخالفت کے داعیے کے بالمقابل مدافعت کرتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اپنا فلسفہ اخلاق تفصیل سے بیان کیا ہے جس کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے انسان کے اندر دو قوتیں رکھی ہیں' ایک قوت ملکیہ ہے اور دوسری قوتِ بہیمیہ (حیوانیت) ہے۔ یہ دونوں آپس میں مزاحمت کرتی رہتی ہیں' چنانچہ مَلکیت بلندی کی طرف اور بہیمیت انسان کو پستی کی طرف لانے کی کوشش کرتی ہے۔ کبھی انسان کی بہیمیت غالب آ جائے تو ملکیت اس کے سامنے مغلوب ہو جاتی ہے اور اگر ملکیت غالب ہو جائے تو بہیمیت پسپا ہو جاتی ہے۔ پس اگر انسان پر بہیمیت غالب ہو تو وہ انسان کو نیکی سے

روک کر خواہشاتِ نفس کا دلدادہ اور ہوائے نفس کا پیرو بنا دیتی ہے۔ پھر انسان گناہ کے رستے پر جا پڑتا ہے۔ اور اگر اس پر اس کی ملکیت (روحانیت یا روحانی وجود) غلبہ پالے تو انسان نیکی کے رستے پر پیش قدمی کرتا ہے۔

یہ سوال اپنی جگہ پر برقرار ہے کہ بہیمیت کو شکست دے کر مَلکیت کو غالب کیسے کیا جائے؟ تو اس کا جواب حضرت شاہ صاحبؒ نے یوں دیا ہے:

''پس انسان اللہ کی طرف سے جان لیتا ہے کہ اس کی بہیمیت ملکیت کو دبا رہی ہے' چنانچہ وہ بہیمیت کو دور کرنے کے لیے' بھوک و پیاس کے علاوہ مباشرت' کلام اور دیگر اعضا پر قابو رکھنے سے اس مرض کا علاج کرتا ہے۔ اس کام کے لیے خاص مشق کی ضرورت ہوتی ہے اور اسی کا نام روزہ ہے۔ جو نہ صرف ایک عظیم نیکی ہے بلکہ قوتِ ملکیہ کو طاقت فراہم کرنے اور قوتِ بہیمیہ کو کمزور کرنے کا عمدہ ذریعہ بھی ہے۔ جس قدر بہیمیت کا جوش کم ہوگا اسی قدر انسان کو گناہوں سے چھٹکارا ملے گا (بالفاظِ دیگر تقویٰ پیدا ہوگا)۔ پس روح کو صیقل کرنے اور طبیعت (نفس) کو دبانے کے لیے روزے جیسی عمدہ ریاضت کوئی نہیں۔ قوتِ بہیمیہ کو توڑنے والی اوّلین ریاضتیں روزہ اور کم سونا (رت جگا) ہے اور یہ دونوں امور (انسان کی روحانی زندگی کے لیے) دوا کی مانند ہیں۔''(۲)

نیز امام غزالیؒ نے احیاء علوم الدین میں' امام ابن قیمؒ نے مدارج السالکین میں اور دیگر کئی علمائے سلف نے اپنی اپنی اصطلاحات میں مختلف انداز میں یہ فلسفہ بیان کیا ہے جو ان کی کتب میں دیکھا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحبؒ نے یہی فلسفہ قدرے آسان اور جدید الفاظ میں ''عظمتِ صوم'' اور ''عظمتِ صیام و قیامِ رمضان'' میں بیان کیا ہے۔ اس کا ایک خلاصہ پیش کیا جاتا ہے:

''حقیقت یہ ہے کہ انسان ایک مرکب وجود کا حامل ہے جو دو اجزاء پر مشتمل ہے۔ ایک اس کا وجودِ حیوانی جو مجموعہ ہے جسم اور جان یا جسد و حیات دونوں کا' اور دوسرے روحِ انسانی جس کی بزرگی کے اظہار کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی ذات کی طرف نسبت دی! حیوانی وجود کا رجحان عالمِ سفلی کی طرف ہے جبکہ وجودِ روحانی کی پرواز عالمِ علوی کی جانب ہے۔ وجودِ حیوانی خاکی الاصل ہے لہٰذا زمین اور زمینی خواہشات کی طرف مائل رہتا ہے' جبکہ وجودِ روحانی نوری الاصل ہے' پس ہمیشہ عالمِ بالا کی جانب مائل و متوجہ رہتا ہے۔ پہلا وجود حیوانات کی سطح پر ہے تو دوسرا فرشتوں کا ہم رتبہ ہی نہیں

بالقوہ ان سے بھی آگے ہے۔ گویا دونوں وجود باہم متضاد و متصادم ہیں۔ چنانچہ ایک تقویت پاتا ہے تو دوسرا لازماً مضمحل ہوتا ہے' اور ایک کا دباؤ بڑھے تو دوسرے کا کچلا جانا لازمی ہے۔ چونکہ انسان کا وجودِ حیوانی خاکی الاصل ہے اس لیے اس کی جملہ ضرورتیں اور اس کے تغذیہ وتقویت کا تمام سامان بھی زمین ہی سے حاصل ہوتا ہے' چنانچہ بطن وفرج کے تقاضوں کی بھرپور تسکین اور کثرتِ آرام واستراحت سے وجودِ حیوانی مضبوط ہوتا جاتا ہے' جس کے نتیجے کے طور پر روح مضمحل ہوتی چلی جاتی ہے' حتیٰ کہ وہ وقت بھی آجاتا ہے جب انسان کا جسدِ خاکی خوب فربہ و توانا نظر آتا ہے درآنحالیکہ اس کی روح کمزور اور لاغر ہوتی ہوتی بالآخر سسک سسک کر دم توڑ دیتی ہے اور جسدِ انسانی اس روح کے لیے چلتی پھرتی قبر بن کر رہ جاتا ہے۔

اس پس منظر میں صیام وقیامِ رمضان کی اصلی غایت وحکمت اور ان کا اصل ہدف ومقصود ایک جملے میں اس طرح سمویا جا سکتا ہے کہ ایک طرف روزہ انسان کے جسدِ حیوانی کے ضعف واضمحلال کا سبب بنتا ہے جس کے نتیجے میں روحِ انسانی کے پاؤں میں پڑی ہوئی بیڑیاں کچھ ہلکی ہوتی ہیں اور بہیمیت کے بھاری بوجھ تلے دبی ہوئی اور سسکتی اور کراہتی ہوئی روح کو سانس لینے کا موقع ملتا ہے اور دوسری طرف قیام اللیل میں کلامِ ربانی کا روح پرور نزول' روحانی تغذیہ وتقویت کا سبب بنتا ہے' چنانچہ کلامِ الٰہی کی عظمت کا اچھی طرح احساس ہونے لگتا ہے کہ روحانی سکون اور ہر قسم کے مرض و درد کا علاج اسی میں ہے۔ دوسری جانب روحِ انسانی از سرِ نو قوی اور توانا ہو کر اپنے مرکز کی طرف مائلِ پرواز ہو جاتی ہے۔ پس کہا جائے گا کہ صیام و قیامِ رمضان کا اصل مقصود ہی یہ ہے کہ روحِ انسانی بہیمیت کے غلبے اور تسلط سے نجات پا کر گویا حیاتِ تازہ حاصل کرے اور پوری شدت وقوت اور کمالِ ذوق وشوق کے ساتھ اپنے رب کی جانب متوجہ ہو جائے اور تقویٰ وعبادت کے جذبے سے سرشار ہو کر انسان اللہ کا قرب حاصل کر سکے۔''

اَلمیہ: افسوسناک صورتِ حال یہ ہے کہ باوجود تمام تر ''روزہ داری'' کے' تقویٰ وللّٰہیت کمیاب ہے تو دیکھا جائے کہ باوجود روزہ رکھنے کے تقویٰ کیوں پیدا نہیں ہو رہا؟ روحِ انسانی' وجودِ حیوانی کے چنگل سے نکل کیوں نہیں پاتی؟ ملکیت' بہیمیت پر غلبہ کیوں نہیں پاتی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ روزہ رکھا تو جاتا ہے لیکن اس کے بعض آداب کا خیال نہیں رکھا جاتا' جس کے سبب روزے کے فوائد مطلوبہ حدتک حاصل نہیں ہو پاتے۔ ان متروک آداب میں سے آدابِ طعام بھی ہیں۔ کھانا یقیناً اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے اور دیگر نعمتوں کی طرح اس نعمت کے

بارے میں بھی اللہ نے ہماری رہنمائی فرمائی ہے جس کے مطابق ہی نعمتِ طعام کو 'برتنا' چاہیے۔

امام غزالیؒ کے فرمان کے مطابق یہ رہنمائی چار اقسام پر ہے۔ پہلی رہنمائی کا تعلق کسبِ رزق یا حصولِ روزی کے ذرائع سے ہے' جسے عرفِ عام میں حرام حلال کا پرہیز کہا جاتا ہے۔ دوسری رہنمائی غذا کے وقت کے بارے میں ہے۔ رہنمائی کا تیسرا میدان رزق کی مقدار اور چوتھا اقسام وتعدادِ طعام کے متعلق ہے۔

چونکہ اس وقت گفتگو رمضان کے حوالے سے ہو رہی ہے' اس لیے پہلی دو اقسام یعنی وقتِ طعام اور ذرائع رزق سے صرفِ نظر کرتے ہوئے کہ روزے میں کھانے پینے کے اوقات تو پہلے ہی محدود کر دیے گئے ہیں اور رزقِ حرام سے اجتناب اور حلال پر اکتفا عام دینی تعلیمات اور رمضان کے حوالے سے تقویٰ کی تلقین میں عام طور پر بیان ہوتا ہی ہے' پس آخری دو یعنی مقدارِ طعام اور اقسام وتعدادِ طعام کے بارے میں کچھ عرض کرنا ہے۔ یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ دینی اقدار کی پابندی کرنے والے' یا رمضان کی برکات کو سمیٹنے کا ارادہ نیک رکھنے والے بھی اس میدان میں کچھ پیچھے یعنی ''کھانے پینے میں آگے'' ہوتے ہیں جس کی وجہ سے وہ رمضان میں اس درجہ کی محنت واجتہاد نہیں کر سکتے جو مطلوب ہوتی یا اِن کے ارادے میں ہوتی ہے۔

تو سب سے پہلا نکتہ تقلیلِ طعام کا اہتمام اور کثرتِ اَکل سے اجتناب ہے جو عقلِ سلیم کا تقاضا بھی ہے' جیسا کہ امام ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ ''اسلام سے پہلے اور بعد' اہلِ عقل کم کھانے کی تعریف اور پُرخوری کی مذمت کرتے رہے ہیں''۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ بحیثیت نبی' حکماء و عقلاء سے بہت زیادہ حقدار تھے کہ اس معاملے میں ہماری رہنمائی فرماتے' پس آپ ﷺ نے مختلف اسلوب میں پُرخوری کی مذمت فرمائی۔

حضرت نافعؒ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرؓ اُس وقت تک کھانا نہیں کھایا کرتے تھے جب تک ان کے ساتھ کھانے میں کوئی مسکین نہ شریک ہوتا۔ چنانچہ ایک دن میں ایک مسکین کو لے کر آیا تو اس نے بہت زیادہ کھانا کھایا۔ اس پر عبداللہ بن عمرؓ نے مجھ سے فرمایا: ''اے نافع! آج کے بعد اس شخص کو میرے پاس نہ لانا' کیونکہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

((اَلْمُؤْمِنُ يَأْكُلُ فِي مِعًى وَاحِدٍ وَالْكَافِرُ يَأْكُلُ فِي سَبْعَةِ أَمْعَاءٍ))(۳)

''مؤمن ایک آنت میں کھاتا ہے جبکہ کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے۔''

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ نے جس فرمانِ رسول ﷺ کی طرف اشارہ کیا' اس کا شانِ ورود یوں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک کافر مہمان کو دودھ پیش کیا تو وہ یکے بعد دیگرے سات بکریوں کا دودھ پی کر سیر ہوا۔ پھر اگلے دن وہ مسلمان ہوگیا تو آپ ﷺ نے اسے پھر دودھ پیش کیا تو اس نے ایک بکری کا دودھ پی لیا' جب اسے مزید دودھ پیش کیا گیا تو وہ دوسری بکری کا دودھ ختم نہ کر سکا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''مؤمن ایک آنت میں کھاتا ہے جب کہ کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے۔''(۴)

امام ملا سلطان علی القاریؒ ''مرقاۃ شرح مشکاۃ'' میں فرماتے ہیں: ''یہ تو معلوم ہے کہ کافر اور مؤمن کی آنتیں برابر ہی ہوتی ہیں' لہٰذا اس حدیث کا ظاہری مطلب مراد نہیں بلکہ اس کی تاویل کی ضرورت ہے' اور اس کی تاویلات ایک سے زیادہ ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ آنتوں سے مراد شہوت (یعنی طلبِ طعام) ہے جو ایک کافر میں مؤمن کی نسبت کئی گنا زیادہ پائی جاتی ہے۔ پس مؤمن کامل کی رغبت' شہوت اور طلبِ طعام کے بجائے زہد و تقلیلِ طعام کی طرف ہوگی' جبکہ کافر کی رغبت شہوت اور کثرتِ طعام کی طرف ہوگی' البتہ اشخاص کے فرق سے تناسب میں فرق آتا رہے گا۔''

امام نوویؒ شرح مسلم میں فرماتے ہیں: ''اس حدیث کی رُو سے مؤمن میں زہد وقناعت اور تقلیلِ طعام کا رویہ پیدا ہونا چاہیے' کیونکہ تقلیلِ طعام محاسنِ اخلاق میں سے ہے' جبکہ کثرتِ طعام بری عادات میں سے ہے۔''

اسی طرح ایک آدمی نے نبی اکرم ﷺ کے پاس ڈکار لیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((كُفَّ عَنَّا جُشَاءَكَ ، فَإِنَّ أَكْثَرَهُمْ شِبَعًا فِي الدُّنْيَا أَطْوَلُهُمْ جُوعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ))(۵)

''اپنے ڈکار کو روکو' کیوں کہ دنیا میں زیادہ سیر رہنے والے قیامت کے دن زیادہ بھوکے رہیں گے۔''

عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ تحفۃ الاحوذی شرح سنن الترمذی میں لکھتے ہیں کہ ''ڈکار سے روکنا اصل میں پیٹ بھر کر کھانے سے روکنا ہے' کیونکہ یہی بات ڈکار کا سبب بنا کرتی ہے۔''

دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص صحابیٔ رسول ابوجحیفہ ؓ تھے۔ امام طبرانیؒ نے ''المعجم الاوسط'' اور امام بیہقیؒ نے ''شعب الایمان'' میں یہ الفاظ بھی روایت کیے ہیں کہ:

((فَمَا اَکَلَ اَبُوْ جُحَیْفَۃَ مِلْءَ بَطْنِہٖ حَتّٰی فَارَقَ الدُّنْیَا))

’’پھر (نبی اکرم ﷺ کی اس تنبیہ کے بعد) ابو جحیفہؓ نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا یہاں تک کہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔‘‘

امام ابن ابی الدنیاؒ نے ’’کتاب الجوع‘‘ میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک دن خود بیان کیا کہ ’’اس واقعے کے بعد اب تیس سال ہونے کو ہیں کہ میں نے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔‘‘

نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

((مَا مَلَأَ آدَمِیٌّ وِعَاءً شَرًّا مِنْ بَطْنٍ بِحَسْبِ ابْنِ آدَمَ اُکُلَاتٌ یُقِمْنَ صُلْبَہٗ، فَاِنْ کَانَ لَا مَحَالَۃَ فَثُلُثٌ لِطَعَامِہٖ وَثُلُثٌ لِشَرَابِہٖ وَثُلُثٌ لِنَفَسِہٖ))(۶)

’’انسان کوئی بھی برتن نہیں بھرتا جو اس کے پیٹ سے زیادہ برا ہو۔ انسان کے لیے چند لقمے کافی ہیں جو اس کی کمر کو سیدھا رکھیں‘ اور اگر اسے اس سے زیادہ کھانا ہی ہے تو ایک حصہ پیٹ کھانے کے لیے رکھے‘ دوسرا حصہ پانی کے لیے اور ایک حصہ سانس کے لیے (خالی چھوڑے)۔‘‘

ابن ماجہ کی روایت میں آخری حصہ یوں ہے:

((فَاِنْ غَلَبَتِ الْآدَمِیَّ نَفْسُہٗ فَثُلُثٌ لِلطَّعَامِ وَثُلُثٌ لِلشَّرَابِ وَثُلُثٌ لِلنَّفَسِ))

’’اگر انسان پر اس کا نفس غالب آ ہی جائے تو پھر پیٹ کا تیسرا حصہ کھانے کے لیے‘ تیسرا پانی کے لیے جبکہ تیسرا ہوا کے لیے خالی رکھے۔‘‘

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دو تہائی پیٹ کا پانی اور کھانے سے بھرنا بھی ایک طرح کی رخصت ہے‘ ورنہ پسندیدہ یہی ہے کہ انسان اس سے بھی کم کھانا کھایا کرے۔ علامہ ابن التین الصفاقسیؒ فرماتے ہیں:

’’کھانے کے حوالے سے انسان تین مراتب پر ہوتے ہیں۔ ایک وہ لوگ جو وقت بے وقت کھاتے رہتے ہیں‘ یہ اہل جاہلیت کا طریقہ ہے۔ دوسرے وہ لوگ جو بھوک کے وقت اتنا ہی کھاتے ہیں جس سے بھوک مٹ جائے۔ اور تیسرے وہ لوگ جو خود کو بھوکا رکھتے ہیں تاکہ اپنی شہوت کو توڑ سکیں‘ اور یہ جب کھاتے ہیں تو اتنا ہی جس سے زندہ رہ سکیں۔‘‘(۷)

پہلا طبقہ تو ظاہر ہے کہ ناپسندیدہ ہے۔ دوسرا طبقہ ایک ایسے راستے پر ہے جس کی نہ تو مذمت کی

4

جا سکتی ہے اور نہ ہی تعریف۔ کہا جا سکتا ہے یہ ایک مباح طرزِ عمل ہے جس میں نہ تو گناہ ہے اور نہ ہی ثواب۔ البتہ تیسرا گروہ ایک پسندیدہ طرزِ عمل پر ہے جو اپنی شہوت کو توڑنے اور نفس کو کمزور کرنے کے لیے بھوکا رکھتے ہیں اور جب کھاتے ہیں تو اتنا ہی جس سے جسم کا جان سے رشتہ باقی رہ سکے۔

بوقتِ افطار کم کھانا

امام غزالیؒ نے افطار کے آداب میں پانچواں ادب ’افطار میں کم کھانا‘ شمار کیا ہے‘ فرماتے ہیں:

’’بوقتِ افطار حلال کھانا بھی کم ہی کھانا چاہیے۔ اتنا نہیں کھانا چاہیے کہ پیٹ تن جائے کیونکہ بھرے برتنوں میں کوئی ظرف پیٹ سے برا نہیں اگرچہ حلال ہی سے بھرا جائے۔ پس جو شخص دن بھر کی بھوک و پیاس کی تلافی افطار کے وقت کر لے گا تو وہ اپنی شہوت کو توڑ کر شیطان کو کیسے مغلوب کر سکے گا؟ چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ کھانے کی مختلف انواع و اقسام کا زیادہ اہتمام رمضان میں ہی ہوتا ہے اور لوگوں کی عادت ہو گئی ہے کہ رمضان میں وہ کچھ کھا جاتے ہیں کہ پورے سال میں نہ کھاتے ہوں گے‘ جبکہ روزے سے مقصود پیٹ کو بھوکا رکھنا اور خواہش کو توڑنا ہے تاکہ نفس میں تقویٰ کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔ اور اس صورت میں کہ انسان دن میں تو کھانے سے رکا رہا لیکن جب اس کی بھوک چمک اٹھی اور رغبت خوب ہوئی تو لذیذ چیزیں خوب سیر ہو کر کھائیں تو صاف بات یہ ہے کہ اس کی لذت و شہوت اور قوتِ نفس میں اضافہ ہی ہو گا جبکہ مقصود اس کے برعکس تھا۔ پس جب روزے کی روح قوائے شہوت کو توڑنا ہے جو شیطان کے لیے ذرائع کی مانند ہیں تو افطار کے وقت پرخوری سے بچنا چاہیے‘ اور اگر بالفرض ظہرانہ کی مقدار‘ جس کا ناغہ ہو چکا تھا‘ بھی افطاری کے ساتھ کھا لی تو مقصود فوت ہو گیا۔ پس چاہیے کہ افطار کرنے والا اتنا ہی تھوڑا سا کھائے جو عام دنوں میں کھایا کرتا تھا۔ اس پر امید ہے کہ رات کو تہجد و وظائف (وتراویح‘ یا باعتبار بعض دورۂ ترجمۂ قرآن) میں آسانی ہو۔ کیا عجب کہ ایسے افطار کرنے والے پر کچھ ملکوتی اشیاء و انوار وغیرہ کھول دیے جائیں۔ اور جو شخص اپنے آپ اور اپنے دل کے درمیان غذا کی آڑ (یا پہاڑ) کھڑا کر لے گا وہ ملکوتی فیوض سے محروم و محجوب ہی رہے گا۔‘‘(۸)

کثرتِ طعام کسل و ثقل کا باعث بنتا ہے‘ یہ چیزیں انسان کو عبادت سے روکتی ہیں۔ امام

ابن قیمؒ لکھتے ہیں:

’’کھانے میں زیادتی‘ اور زیادہ سیر ہو کر کھانا انسان کو اللہ کی عبادت و طاعت سے موڑ کر جسمانی تقاضوں کی طرف راغب کرتا ہے۔ انسان میں شہوت بڑھ جاتی ہے اور انسان شیطان کے راستے پر آ جاتا ہے‘ کیونکہ شیطان انسان کے خون میں سرایت کیے ہوئے ہے۔‘‘(۹)

امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

’’سولہ سال ہوئے کہ میں نے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا‘ سوائے تھوڑے سے کھانے کے‘ کیونکہ زیادہ کھانا انسان کو بوجھل کرتا ہے‘ دل کو سخت اور ذہانت کو کم کرتا ہے‘ اس سے نیند بہت آتی ہے‘ اور زیادہ کھانا انسان کو عبادت سے روک دیتا ہے۔‘‘(۱۰)

اشکال: جب افطار میں تقلیلِ طعام پر بات کی جاتی ہے تو نبی اکرم ﷺ کے ’’خطبہ رمضان‘‘(۱۱) کے حوالے سے دو اشکال پیدا ہو جاتے ہیں۔ پہلا یہ کہ الفاظ مبارکہ ((شَهْرٌ يُزَادُ فِيْهِ رِزْقُ الْمُؤْمِنِ)) کے مطابق ’’ماہ رمضان میں تو بندۂ مؤمن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے‘‘۔ لہٰذا رمضان میں تقلیلِ طعام کوئی پسندیدہ امر نہیں‘ بلکہ اس میں تو خوب کھانا چاہیے تاکہ اللہ کی نعمت کا ظہور ہو سکے۔ اس ضمن میں پہلی بات تو یہ ہے کہ حدیث میں مذکور رزق میں مادّی اور معنوی یا روحانی دونوں قسم کے رزق مراد ہیں۔ اس لیے مادّی رزق یعنی اقسامِ طعام کی طرف اپنی توجہات کو مرتکز کرنے کے بجائے رمضان کے روحانی رزق‘ قیام اللیل اور تلاوت و تفہیم قرآن اور تسبیح و مناجات کی طرف زیادہ رغبت کرنی چاہیے۔ البتہ اگر اس سے مراد صرف مادّی رزق ہی لیا جائے تب بھی اس کا لازمی مطلب زیادہ کھانا نہیں ہے بلکہ دیگر نعمتوں کی طرح نعمتِ طعام میں بھی ’’زہد‘‘ کا رویہ مطلوب ہے۔ زہد کا مطلب یہ ہے کہ حلال کو حرام کہے بغیر کم از کم ضرورت کی حد تک استعمال کیا جائے۔ سوچنا چاہیے کہ اضافہ رزق کی خبر کا مقصود کیا ہے؟ اس خبر کا مقصود زیادہ کھانے کی ترغیب دینا نہیں بلکہ انفاق و صدقات و خیرات کی ترغیب دینا ہے‘ جیسا کہ ماقبل کے الفاظ ((وَهُوَ شَهْرُ مُوَاسَاةٍ)) ’’یہ تو باہمی ہمدردی کا مہینہ ہے‘‘ اور ((مَنْ فَطَّرَ فِيْهِ صَائِمًا)) ’’اور جس نے اس میں کسی روزے دار کو افطار کرایا‘‘ سے مترشح ہوتا ہے‘ جیسا کہ علامہ طیبیؒ وغیرہم نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ پس انسان کو وسعتِ رزق کے بدلے میں وسعتِ صدقہ کا مظاہرہ کرنا چاہیے‘ جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کی سخاوت رمضان میں بامِ عروج تک جا پہنچا کرتی تھی۔

دوسرا اشکال یہ لاحق ہوتا ہے کہ تقلیل طعام‘ نبی اکرم ﷺ کے الفاظ ((مَنْ اَشْبَعَ صَائِمًا سَقَاهُ اللّٰهُ مِنْ حَوْضِيْ)) ’’جس نے کسی روزے دار کو سیری کی حد تک کھلا دیا اللہ اسے میرے حوض سے پلائے گا‘‘ کے خلاف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یقیناً حدیث میں سیر ہو کر کھانے کا ذکر موجود ہے‘ لیکن سیاقِ کلام پر غور کریں تو یہ کھانے کا نہیں بلکہ کھلانے کا بیان ہے۔ بعض معاملات جو فریقین کے درمیان انجام پاتے ہیں ان میں ہر فریق کے لیے ہدایت مختلف ہوتی ہے۔ اس اصول کے تحت میزبان کو ہدایت دی جاتی ہے کہ وہ اپنے مہمان کی خاطر تواضع میں میسر حد تک وسعت کرے‘ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مہمان بھی ضرور زیادہ ہی کھائے‘ بلکہ اسے اعلیٰ اَقدار کا خیال رکھتے ہوئے قدرے کم ہی کھانا چاہیے۔

تنبیہ: تقلیلِ طعام میں اتنا مبالغہ کرنا (جس کا آج کے دَور میں کم ہی امکان ہے) کہ انسان کمزور و لاغر ہو جائے کہ شرعی فرائض اور دیگر حقوق ادا نہ کر سکے‘ کو علماء نے حرام قرار دیا ہے۔ نیز امام ابن القیمؒ نے ’’زاد المعاد‘‘ میں تقلیل طعام کی قباحت و مذمت اور کھانے کے مختلف مراتب بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ پیٹ بھر کر کھانا اس صورت میں مکروہ ہے جب یہ ہمیشہ کا معمول بن جائے یا پھر انسان کا اکثر اوقات یہی رویہ ہو‘ البتہ کبھی کبھار پیٹ بھر کر کھا لینا کراہت سے بری ہے۔

انواعِ طعام

کھانے میں ایک سے زائد کھانوں کا اہتمام بھی ایک ناپسندیدہ چیز ہے کیونکہ اس میں لذت و عیش کوشی کا عنصر یا اس جانب پیش قدمی پائی جاتی ہے۔ حضرت معاذ بن جبل ؓ فرماتے ہیں کہ جب میں یمن کی طرف جانے لگا تو نبی مکرم ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی:

((إِيَّاكَ وَالتَّنَعُّمَ، فَإِنَّ عِبادَ اللهِ لَيْسُوا بِالْمُتَنَعِّمِينَ)) (۱۲)

’’عیش کوشی سے بچتے رہنا‘ کیونکہ اللہ کے بندے عیش کوش نہیں ہوتے۔‘‘

یہی بات لذتِ کام و دہن کے بارے میں آپ ﷺ نے یوں ارشاد فرمائی:

((سَيَكُونُ رِجَالٌ مِنْ أُمَّتِي يَأْكُلُونَ أَلْوَانَ الطَّعَامِ، وَيَشْرَبُونَ أَلْوَانَ الشَّرَابِ، وَيَلْبَسُونَ أَلْوَانَ الثِّيَابِ، وَيَتَشَدَّقُونَ فِي الْكَلَامِ، فَأُولَئِكَ شِرَارُ أُمَّتِي)) (۱۳)

’’میری امت میں کچھ لوگ ہوں گے جو قسم قسم کے کھانے کھائیں گے اور قسم قسم کے

مشروب پیا کریں گے اور رنگا رنگ کپڑے پہنا کریں گے اور (بلا احتیاط) کثرتِ کلام کیا کریں گے' پس یہ میری امت کے برے لوگ ہوں گے۔''

حدیث پاک ویسے تو پوری زندگی کے لیے عام ہے' لیکن اس میں رمضان کے لیے خاص ہدایات ہیں' کیونکہ ہماری افطاریوں پر کھانے رنگا رنگ کے ہوتے ہیں' نیز گرمیوں میں انواع واقسام کے مشروبات کا اہتمام بھی کافی ہوتا ہے اور ان دونوں چیزوں کا زیادہ استعمال تراویح اور دوسری عبادات میں خلل کا باعث بنتا ہے۔ ہماری عید کی تیاری میں ملبوسات پر تکلف بہت بڑھ چکا ہے۔ نیا لباس اگرچہ مسنون ہے' لیکن اس میں تکلف وتصنع اور تعدد بہت بڑھ چکا ہے۔

امیر صنعانی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: ''یہ مراد نہیں کہ رنگا رنگ اور ایک سے زیادہ کھانے حرام ہیں' بلکہ ان کی کراہت بیان کی گئی ہے' اس لیے کہ یہ توسع فی الکلام کا ذریعہ بنتے ہیں۔''(۱۴)

علامہ عبد الرؤف المناوی شرح حدیث میں فرماتے ہیں: ''اگرچہ زیادہ اقسام کا کھانا حرام نہیں بلکہ جائز ہے' لیکن اس کا مسلسل اہتمام کرنا مناسب نہیں' اس لیے کہ اس سے انسان عیش کوشی کا عادی ہو کر دنیا اور اس کی لذات وطلب میں مگن ہوتا جاتا ہے اور یہ چیزیں اسے گناہ کے راستے پہ ڈال دیتی ہیں۔''(۱۵)

تجربے سے ثابت ہے کہ کئی اقسام کے سالن وترکاریاں' زیادہ کھانے کا باعث بنتے ہیں اور اگر یہ زیادہ کھانا افطار کے بعد ہو تو انسان عبادت سے پیچھے رہ جاتا ہے۔

ضیافتِ افطار

نبی اکرم ﷺ نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے ہاں افطار فرمایا تو بعد میں یہ دعا دی:

((أَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّائِمُونَ ، وَأَكَلَ طَعَامَكُمُ الْأَبْرَارُ ، وَصَلَّتْ عَلَيْكُمُ الْمَلَائِكَةُ))(۱۶)

''تمہارے پاس روزے دار افطار کریں' تمہارا کھانا نیک لوگ کھائیں اور فرشتے تم پر دعائیں بھیجیں۔''

آپ ﷺ کے الفاظ (صَلَّتْ عَلَيْكُمُ الْمَلَائِكَةُ) کے خبر یہ یا دعائیہ ہونے کا امکان ہے۔ بہر حال دونوں کے مطابق افطار کرانے کی فضیلت کی تعلیم ملتی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپس میں دعوتِ افطار کا کتنا کچھ اہتمام فرماتے تھے' اس حوالے سے ہمیں مطالعے کا موقع نہیں ملا' البتہ

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کھانے کی عام ضیافت صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ کے عام معمول میں سے تھی۔ کھانا کھلانے کی عمومی ترغیب بکثرت احادیث میں وارد ہوئی ہیں۔ امام ابن ابی الدنیا نے ''الاخوان'' میں مرسل روایت نقل کی ہے:

((أَضِفْ بِطَعَامِكَ مَنْ تُحِبُّ فِي اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ))

''اپنے کھانے سے اس کی ضیافت کرو جس سے تم اللہ کے لیے محبت کرتے ہو۔''

اس سے بھی اپنے دوستوں کی ضیافت کی ترغیب ملتی ہے۔ انہی ضیافتوں میں افطار کی ضیافت بھی ہے جس کا بہت اجر بیان کیا گیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا

((مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا كَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِهِ غَيْرَ أَنَّهُ لَا يَنْقُصُ مِنْ أَجْرِ الصَّائِمِ شَيْئًا))(۱۷)

''جو کسی روزے دار کو افطاری کرائے گا اُس کو روزے دار کے اجر کے مثل ثواب ملے گا بغیر اس کے کہ روزے دار کے اجر میں سے کچھ کمی کی جائے۔''

اہتمامِ طعام اور ضیافت

ذہن میں رہے کہ اسلام میں مہمان کا حق رکھا گیا ہے اور اس حق میں سے ایک حق اس کے کھانے کا اہتمام کرنا بھی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نبی اکرم ﷺ کی دعوت میں کھانا تیار کرنا روایات سے ثابت ہے' یہاں تک کہ مسلم شریف کی ایک روایت میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضراتِ شیخینؓ کے ساتھ ایک انصاری صحابی کے گھر تشریف لے گئے تو میزبان نے پہلے خشک وتر کھجوریں پیش کیں اور اس کے بعد بکری ذبح کر کے ان کے لیے کھانا تیار کروایا۔ امام نوویؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: ''اس حدیث میں کھانے سے پہلے پھل وغیرہ کھانے کی پسندیدگی اور کھانے سے پہلے مہمان کی تواضع کرنے کی پسندیدگی کا بیان ہے۔ علمائے سلف سے مہمان کی خاطر جو اہتمام طعام کی کراہت منقول ہے وہ اس صورت میں ہے جب میزبان پر یہ اہتمام گراں گزرتا ہو۔''

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((لَا يَتَكَلَّفَنَّ أَحَدٌ لِلضَّيْفِ مَا لَا يَقْدِرُ عَلَيْهِ))(۱۸)

''تم میں سے کوئی بھی مہمان کے لیے اتنا تکلف نہ کرے جو اس کے مقدور سے باہر ہو۔''

شقیق بن ثورؒ کہتے ہیں کہ میں اور میرا ایک ساتھی سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو انہوں نے

روٹی اور نمک ہمیں پیش کیا اور کہا:

لَوْلَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ نَھَانَا عَنِ التَّکَلُّفِ لَتَکَلَّفْتُ لَکُمْ(۱۹)

’’اگر اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں تکلف سے روکا نہ ہوتا تو میں تمہارے لیے ضرور تکلف کرتا۔‘‘

سچی بات یہ ہے کہ تکلف انسانوں پر بہت بوجھ بن جاتا ہے‘ جیسا کہ حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں: ’’انسانوں کے تعلقات تکلف ہی کی وجہ سے ختم ہوتے ہیں۔ ایک شخص دوسرے سے ملنے آتا ہے اور وہ تکلف کا مظاہرہ کرتا ہے‘ پس یہ تکلف اس کو اس کے پاس آنے سے روک دیتا ہے۔‘‘(۲۰)

یہ بھی ذہن میں رہنا چاہیے کہ محبت تکلف کے آداب بھلا دیتی ہے جوں جوں محبت بڑھتی جاتی ہے تکلف گھٹتا جاتا ہے‘ پس انسان کی دوستی کا ایک امتحان یہ بھی ہے کہ کبھی کبھی اپنے دوست کی ضیافت دال ساگ پر بھی کرنی چاہیے۔ فضالہؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حسن بصریؒ کے پاس جب ان کے بھائی آتے تو جو کچھ موجود ہوتا وہ پیش کر دیتے‘ بسا اوقات پلنگ کے نیچے سے ایک تھیلا نکالتے اور اس میں سے کھجوریں نکال کر پیش کرتے اور کہتے یہ میں نے تمہارے لیے بچا رکھی تھیں۔(۲۱)

حوالہ جات

(۱) معجم لغة الفقهاء، محمد رواس قلعجي -حامد صادق قنيبي،دار النفائس، حرف التاء، ص ۱۴۱

(۲) ملخّص از حجة الله البالغه۔ یہ ابحاث باب رفع الحجاب، بَاب أسرار الصَّوُم اور باب التکلیف وغیرہ میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

(۳) صحیح البخاری، کتاب الاطعمة‘ باب المؤمن یاکل فی معی واحد ......

(۴) ایضاً۔

(۵) سنن الترمذی، ابواب صفة القیامة والرقائق والورع‘ باب منه۔

(۶) سنن الترمذی،ابواب الزهد‘ باب ما جاء فی کراهیة کثرة الاکل۔

(۷) فتح الباری شرح صحیح البخاری۔

(۸) احیاء علوم الدین، روزے کے اسرار اور باطنی شرائط۔

(۹) ملخصا از مدارج السالکین۔

(۱۰) مناقب الشافعی و آدابه، ابن ابی حاتم الرازی۔

(۱۱) رواه البیهقی فی شعب الایمان۔

(۱۲) مسند احمد‘ کتاب مسند الانصار‘ باب حدیث معاذ بن جبلؓ۔

(۱۳) صَحِیحُ التَّرغِیب وَالتَّرهِیب۔

(۱۴) تنویر شرح الجامع الصغیر۔

(۱۵) فیض القدیر شرح الجامع الصغیر۔

(۱۶) سنن ابن ماجه‘کتاب الصیام‘ باب فی ثواب من فطر صائما۔

(۱۷) سنن الترمذی‘ ابواب الصوم‘ باب ما جاء فی عقل من فطر صائما۔

(۱۸) رواه البیهقی فی شعب الایمان۔

(۱۹) المستدرك علی الصحیحین۔

(۲۰) إحیاء علوم الدین۔

(۲۱) الاخوان لابن ابی الدنیا۔

روزہ اور جدید میڈیکل سائنس

پروفیسر عبدالعظیم جانباز☆

انسان کا مقصدِ تخلیق عبادتِ الٰہی ہے اور عبادت کا مقصدِ وحید تقویٰ وللّٰہیت کا حصول ہے۔ عبادت اگر بطورِ عادت کی جائے تو اس سے محض ثواب ملتا ہے‘ تقویٰ اور روحانیت کے فیوض و برکات حاصل نہیں ہوتے‘ اور اگر یہی عبادت صدق و اخلاص اور ((اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ)) کے شعور سے کی جائے تو اِنسان قرب ومعیت کے اس مقام پر فائز ہوتا ہے جہاں سے ﴿ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً ﴿۲۸﴾﴾ (الفجر) کی ایمان افروز صدائیں آنے لگتی ہیں۔ اسلام کی ہر عبادت‘ ہر حکم میں بے شمار حکمتیں پوشیدہ ہیں اور اہلِ علم نے اپنے اپنے علم کے مطابق انہیں بیان بھی فرمایا ہے۔ اسی طرح سائنس کی ترقی سے بھی ایسے احکامِ اسلامیہ کی حکمتوں کے ایسے ایسے گوشے کھلے ہیں جو اب تک عام لوگوں پر نہاں تھے۔

روزے سے متعلق سائنسی حقائق کا علم اللہ ربّ العالمین نے نبی مکرمﷺ کو چودہ سو سال پہلے ہی عطا فرما دیا تھا‘ چنانچہ آپﷺ نے ارشاد فرمایا: ((صُوْمُوْا تَصِحُّوْا)) یعنی روزہ رکھو‘ صحت مند رہو گے۔ روزہ جہاں سابقہ گناہوں کی بخشش کا سبب بنتا ہے وہاں طبی نقطۂ نظر سے بھی انسانی صحت کے لیے نہایت ضروری ہے۔ اس وقت دنیا میں ایسے بہت سے مراکز کا قیام عمل میں آ چکا ہے جہاں سالہا سال کی سائنسی تحقیقات کے ذریعے ڈاکٹر حضرات اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ بعض خاص قسم کے مریضوں کو بھوکے رکھ کر کئی ایک امراض کا علاج کیا جا سکتا ہے۔

جسمِ انسانی‘ ایک حیاتیاتی مشین (Biological Machine)

جسم درحقیقت ایک مشین کی طرح ہے‘ اسے ہم حیاتیاتی مشین (Biological Machine) کہہ سکتے ہیں۔ یہ حیاتیاتی مشین بھی اسی طرح کام کرتی ہے جس طرح دوسری

☆ ای میل: azeemjanbaz77@gmail.com

مشینیں کام کرتی ہیں۔ اس مشین کو بھی دیگر مشینوں کی طرح سروِیسنگ (servicing) اوور ہالنگ (over hauling) اور ٹیوننگ کی ضرورت ہوتی ہے‘ تاکہ اس سے صحیح اعمال صادر ہوں۔ اسی لیے اس مشین کے خالق نے روزہ فرض کیا ہے تاکہ انسان کا جسم اور اعمال پاک وصاف ہوں۔ جیسے جیسے طبّی علم نے ترقی کی اس حقیقت کا علم بتدریج حاصل ہوا کہ روزہ تو ایک طبّی معجزہ بھی ہے۔

آیئے اب اس طبّی معجزے کو سائنسی تناظر میں دیکھیں کہ روزہ کس طرح ہمیں جسمانی بیماریوں سے بچنے میں مدد دیتا ہے۔

روزے کے نظامِ ہضم (Digestive System) پر اثرات

نظامِ ہضم ایک دوسرے سے قریبی طور پر ملے ہوئے بہت سے اعضاء پر مشتمل ہوتا ہے۔ اہم اعضاء جیسے کہ منہ (Mouth) اور جبڑے میں لعابی غدود (Salivery Glands)‘ زبان (Tongue)‘ گلا (Throat)‘ مقوی نالی (Alimentary Canal) یعنی گلے سے معدہ تک خوراک لے جانے والی نالی‘ معدہ (Stomach)‘ بارہ انگشت آنت‘ جگر (Liver) اور لبلبہ (Pancrears) اور آنتوں (Intestines) کے مختلف حصے وغیرہ تمام اس نظام کا حصہ ہیں۔ اس نظام کی اہم بات یہ ہے کہ یہ سب پیچیدہ اعضاء خود بخود ایک کمپیوٹرائزڈ نظام سے عمل پذیر ہوتے ہیں۔ جیسے ہی ہم کچھ کھانا شروع کرتے ہیں یا کھانے کا ارادہ ہی کرتے ہیں یہ پورا نظام حرکت میں آ جاتا ہے اور ہر عضو اپنا مخصوص کام شروع کر دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سارا نظام چوبیس گھنٹے ڈیوٹی پر ہونے کے علاوہ اَعصابی دباؤ اور غلط قسم کی خوراک کی وجہ سے ایک طرح سے گھِس جاتا ہے۔ روزہ ایک طرح اس سارے نظامِ ہضم پر ایک ماہ کا آرام طاری کر دیتا ہے‘ مگر درحقیقت اس کا حیران کن اثر بطورِ خاص جگر (Liver) پر ہوتا ہے‘ کیونکہ جگر کے کھانا ہضم کرنے کے علاوہ پندرہ مزید عمل بھی ہوتے ہیں‘ چنانچہ یہ اس طرح تھکان کا شکار ہو جاتا ہے جیسے ایک چوکیدار جو ہمہ وقت پہرے پر کھڑا رہے۔ اس کی وجہ سے صفراء (Bile) کی رطوبت جس کا اخراج ہاضمہ کے لیے ہوتا ہے‘ مختلف قسم کے مسائل پیدا کرتی ہے اور دوسرے اعمال پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ روزے کے ذریعے جگر کو چار سے چھ گھنٹوں کے لیے آرام مل جاتا ہے اور یہ روزے کے بغیر قطعی ناممکن ہے‘ کیونکہ بے حد معمولی مقدار کی خوراک یہاں تک کہ ایک گرام کے دسویں حصہ کے برابر بھی اگر معدہ میں داخل ہو جائے تو

پورے نظام کا کمپیوٹر اپنا کام شروع کر دیتا ہے اور جگر فوراً مصروفِ عمل ہو جاتا ہے۔ سائنسی نقطۂ نظر سے یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ اس آرام کا وقفہ ایک سال میں ایک ماہ تو لازمی ہونا چاہیے۔

جدید دور کا انسان جو اپنی زندگی کی غیر معمولی قیمت مقرر کرتا ہے متعدد طبی معائنوں کے ذریعے اپنے آپ کو محفوظ سمجھنا شروع کر دیتا ہے‘ لیکن اگر جگر کے خلیے کو قوتِ گویائی حاصل ہوتی تو وہ ایسے انسان سے کہتا کہ ’’تم مجھ پر ایک عظیم احسان صرف روزے کے ذریعے ہی کر سکتے ہو۔‘‘

جگر پر روزے کی برکات میں سے ایک وہ ہے جو خون کے کیمیائی عمل پر اس کی اثر اندازی سے متعلق ہے۔ جگر کے انتہائی مشکل کاموں میں ایک کام اس توازن کو برقرار رکھنا بھی ہے جو غیر ہضم شدہ اور تحلیل شدہ خوراک کے درمیان ہوتا ہے۔ اسے یا تو ہر لقمہ کو اسٹور میں رکھنا ہوتا ہے یا پھر خون کے ذریعے سے ہضم ہو کر تحلیل ہو جانے کے عمل کی نگرانی کرنا ہوتی ہے۔ روزے کے ذریعے جگر توانائی بخش کھانے کے اسٹور کرنے کے عمل سے بڑی حد تک آزاد ہو جاتا ہے۔ اس طرح جگر اپنی توانائی خون میں گلوبلن (Globulin) جو جسم کے محفوظ رکھنے والے (Immune) سسٹم کو تقویت دیتا ہے‘ کی پیداوار پر صرف کر سکتا ہے۔ روزے کے ذریعے گلے اور خوراک کی نالی کے بے حد حساس اعضاء کو جو آرام نصیب ہوتا ہے‘ اس تحفہ کی کوئی قیمت ادا نہیں کی جا سکتی۔

انسانی معدہ روزے کے ذریعے جو بھی اثرات حاصل کرتا ہے وہ بے حد فائدہ مند ہوتے ہیں۔ اس ذریعے سے معدہ سے نکلنے والی رطوبتیں بھی بہتر طور پر متوازن ہو جاتی ہیں‘ اس کی وجہ سے روزے کے دوران تیزابیت (Acidity) جمع نہیں ہوتی‘ اگرچہ عام قسم کی بھوک سے یہ بڑھ جاتی ہے‘ لیکن روزے کی نیت اور مقصد کے تحت تیزابیت کی پیداوار رک جاتی ہے۔ اس طریقے سے معدہ‘ پٹھے اور معدہ کی رطوبت پیدا کرنے والے خلیے رمضان کے مہینے میں آرام کی حالت میں چلے جاتے ہیں۔ جو لوگ زندگی میں روزے نہیں رکھتے ان کے دعووں کے برخلاف یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ایک صحت مند معدہ شام کو روزہ کھولنے کے بعد زیادہ کامیابی سے ہضم کا کام سرانجام دیتا ہے۔

روزہ آنتوں کو بھی آرام اور توانائی فراہم کرتا ہے‘ یہ صحت مند رطوبت کے بننے اور معدہ کے پٹھوں کی حرکت سے ہوتا ہے۔ آنتوں کی شرائن کے غلاف کے نیچے (Endothelium) محفوظ رکھنے والے نظام (Immune) کا بنیادی عنصر موجود ہوتا ہے‘ جیسے انتڑیوں کا جال‘ روزے

کے دوران ان کو نئی توانائی اور تازگی حاصل ہوتی ہے۔ اس طرح ہم ان تمام بیماریوں کے حملے سے محفوظ ہو جاتے ہیں جو ہضم کرنے والی نالیوں پر ہو سکتے ہیں۔

روزے کے دورانِ خون (Blood) پر اثرات

دن میں روزے کے دورانِ خون کی مقدار میں کمی ہو جاتی ہے‘ یہ اثر دل کو انتہائی فائدہ مند آرام مہیا کرتا ہے۔ زیادہ اہم یہ بات ہے کہ خلیوں (Cells) کے درمیان مائع (Intercellular) کی مقدار میں کمی کی وجہ سے پٹھوں (Tissues) پر دباؤ کم ہو جاتا ہے۔ پٹھوں پر دباؤ یا عام فہم میں ڈائسٹالک (Diastolic) دباؤ دل کے لیے انتہائی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ روزے کے دوران ڈائسٹالک پریشر کم سطح پر ہوتا ہے‘ یعنی اس وقت دل آرام کی صورت میں ہوتا ہے۔ مزید برآں آج کا انسان ماڈرن زندگی کے مخصوص حالات کی بدولت شدید تناؤ یعنی ہائپرٹینشن (Hypertension) کا شکار ہے۔ رمضان کے ایک ماہ کے روزے بطورِ خاص ڈائسٹالک پریشر کو کم کر کے انسان کو بے پناہ فائدہ پہنچاتے ہیں۔ روزے کا سب سے اہم اثر دورانِ خون پر اس پہلو سے ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ اس سے خون کی شریانوں پر کیا اثر ہوتا ہے۔ اس حقیقت کا علم اب عام ہے کہ خون کی شریانوں کی کمزوری اور فرسودگی کی اہم ترین وجوہات میں سے ایک وجہ خون میں باقی ماندہ مادّے (Remnantes) کا پوری طرح تحلیل نہ ہو سکنا ہے‘ جب کہ دوسری طرف روزے میں بطورِ خاص افطار کے وقت کے نزدیک خون میں موجود غذائیت کے تمام ذرّے تحلیل ہو چکے ہوتے ہیں‘ ان میں سے کچھ بھی باقی نہیں بچتا۔ اس طرح خون کی شریانوں کی دیواروں پر چربی یا دیگر اجزاء جم نہیں پاتے۔ اس طرح شریانیں سکڑنے سے محفوظ رہتی ہیں‘ چنانچہ موجودہ دور کی انتہائی خطرناک بیماریوں جن میں شریانوں کی دیواروں کی سختی (Arterioscierosis) نمایاں ترین ہے‘ سے بچنے کی بہترین تدبیر روزہ ہی ہے۔ چونکہ روزے کے دوران گردے جنہیں دورانِ خون ہی کا ایک حصہ سمجھا جا سکتا ہے‘ آرام کی حالت میں ہوتے ہیں‘ اس لیے جسم کے ان اہم اعضاء کی قوت بھی روزے کی برکت سے بحال ہو جاتی ہے۔

خلیہ (Cell) پر روزے کے اثرات

روزے کا سب سے اہم اثر خلیوں (Cells) کے درمیان اور خلیوں کے اندرونی سیال مادّوں کے درمیان توازن کو قائم رکھنے سے ہے۔ چونکہ روزے کے دوران مختلف سیال مقدار

میں کم ہو جاتے ہیں اس لیے خلیوں کے عمل میں بڑی حد تک سکون پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح لعاب دار جھلی کی بالائی جھلی کی سطح سے متعلق خلیے جنھیں اپی تھیلیل سیلز (Epithelial Cells) کہتے ہیں اور جو جسم کی رطوبت کے متواتر اخراج کے ذمہ دار ہوتے ہیں‘ ان کو بھی صرف روزے کے ذریعے آرام اور سکون ملتا ہے‘ جس سے ان کی صحت مندی میں اضافہ ہوتا ہے۔

خلیاتیات کے علم کے نکتہ نظر سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ لعاب بنانے والے غدود‘ گردن کے غدود تیموسیہ اور لبلبہ کے غدود شدید بے چینی سے ماہِ رمضان کا انتظار کرتے ہیں‘ تا کہ روزے کی برکت سے کچھ ستانے کا موقع حاصل کر سکیں اور مزید کام کرنے کے لیے اپنی توانائیوں کو جلا دے سکیں۔

روزے کے اعصابی نظام (Nervous System) پر اثرات

اس حقیقت کو پوری طرح سمجھ لینا چاہیے کہ روزے کے دوران چند لوگوں میں پیدا ہونے والا چڑچڑاپن اور بے دلی کا اعصابی نظام سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس قسم کی صورتِ حال ان انسانوں کے اندر انانیت (Egotistic) طبیعت کی سختی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف روزے کے دوران اعصابی نظام مکمل سکون اور آرام کی حالت میں ہوتا ہے۔ عبادات کی بجا آوری سے حاصل شدہ تسکین ہماری تمام کدورتوں اور غصّے کو دور کر دیتی ہے۔ اس سلسلے میں زیادہ خشوع وخضوع اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کے سامنے سرنگوں ہونے کی وجہ سے تو ہماری پریشانیاں بھی تحلیل ہو کر ختم ہو جاتی ہیں۔ اس طرح آج کے دور کے شدید مسائل جو اعصابی دباؤ کی صورت میں ہوتے ہیں‘ تقریباً مکمل طور پر ختم ہو جاتے ہیں۔ روزے کے دوران جنسی خواہشات چونکہ علیحدہ ہو جاتی ہیں اس وجہ سے بھی ہمارے اعصابی نظام پر منفی اثرات مرتب نہیں ہوتے۔ روزہ اور وضو کے مشترکہ اثر سے جو مضبوط ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے اس سے دماغ میں دورانِ خون کا بے مثال توازن قائم ہو جاتا ہے جو صحت مند اعصابی نظام کی نشان دہی کرتا ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ اندرونی غدودوں کو جو آرام اور سکون ملتا ہے وہ پوری طرح سے اعصابی نظام پر اثر پذیر ہوتا ہے جو روزے کا انسانی نظام پر ایک اور احسان ہے۔ انسانی تحت الشعور (Sub-conscious) جو رمضان کے دوران عبادات کی مہربانیوں کی بدولت صاف وشفاف اور تسکین پذیر ہو جاتا ہے‘ اعصابی نظام سے ہر قسم کے تناؤ اور الجھن کو دور کرنے میں مدد دیتا ہے۔

خون کی تشکیل اور روزے کی لطافتیں

خون ہڈیوں کے گودے میں بنتا ہے۔ جب کبھی جسم کو خون کی ضرورت پڑتی ہے ایک خود کار نظام ہڈی کے گودے کو حرکت پذیر (stimulate) کر دیتا ہے۔ کمزور اور لاغر لوگوں میں یہ گودہ بطورِ خاص سست حالت میں ہوتا ہے۔

روزے کے دوران جب خون میں غذائی مادّے کم ترین سطح پر ہوتے ہیں تو ہڈیوں کا گودہ حرکت پذیر ہو جاتا ہے‘ اس کے نتیجے میں لاغر لوگ روزہ رکھ کر آسانی سے اپنے اندر زیادہ خون پیدا کر سکتے ہیں۔ بہرحال یہ تو ظاہر ہے کہ جو شخص خون کی پیچیدہ بیماری میں مبتلا ہو اسے طبّی معائنہ اور ڈاکٹر کی تجویز کو ملحوظِ خاطر رکھنا ہی پڑے گا۔ چونکہ روزے کے دوران جگر کو ضروری آرام مل جاتا ہے‘ یہ ہڈی کے گودے کے لیے ضرورت کے مطابق اتنا مواد مہیا کر دیتا ہے جس سے بآسانی اور زیادہ مقدار میں خون پیدا ہو سکے گا۔ اس طرح روزے سے متعلق بہت سی اقسام کی حیاتیاتی برکات کے ذریعے ایک دُبلا پتلا شخص اپنا وزن بڑھا سکتا ہے۔ اسی طرح موٹے اور فربہ لوگ بھی صحت پر روزے کے عمومی برکات کے ذریعے اپنا وزن کم کر سکتے ہیں۔

روزے سے شوگر (Diabetes) کنٹرول

روزہ ذیابیطس کے مرض یعنی شوگر کو کنٹرول کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے‘ جب کہ عام لوگوں کو اندیشہ ہوتا ہے کہ اگر شوگر کا مریض روزہ رکھ لے تو اسے کہیں پریشانی سے دوچار نہ ہونا پڑے۔ بعض لوگ جسم میں پانی کی کمی یا شوگر لیول (Sugar Level) حدِ اعتدال سے گرنے کے احتمال کو اپنے ذہن پر سوار کر لیتے ہیں‘ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے‘ البتہ شدتِ مرض کی صورت میں صورتِ حال مختلف ہو سکتی ہے۔ شدتِ مرض کی حالت میں روزہ نہ رکھنے کی اللہ ربّ العزت نے اجازت دی ہے‘ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (البقرۃ:۱۸۵)

”اور جو کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں (کے روزوں) سے گنتی پوری کرے‘ اللہ تمھارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور تمھارے لیے دشواری نہیں چاہتا۔“

ماہرین طب کی رائے میں ایسے اشخاص جو روزہ دار نہ ہوں‘ کا شوگر لیول اتار چڑھاؤ کا شکار رہتا ہے جب کہ روزہ دار مریض کا شوگر لیول نارمل رہتا ہے‘ کیونکہ روزہ مریض اور معالج

کے لیے کسی قسم کی مشکلات یا پریشانی پیدا نہیں کرتا۔ مزید برآں اگر رمضان المبارک کے علاوہ بھی یہ طریقہ اپنایا جائے تو اس سے نہ صرف شوگر لیول کنٹرول ہوگا بلکہ شوگر لیول میں عدم تنظیم کی بنا پر جو نقاہت و کمزوری ہوا کرتی ہے‘ مریض اس سے بھی محفوظ رہے گا۔ روزہ کے سبب شوگر میں مبتلا شخص کی قوتِ مدافعت (Resistance Power) بڑھتی ہے‘ لہٰذا اس سے شوگر کے باعث ہونے والی دماغی سوزش‘ کالا موتیا‘ اندھا پن‘ جگر اور گردوں کی خرابی کے خدشات بھی بڑی حد تک معدوم ہو جاتے ہیں۔

روزے سے موٹاپا (Fatness) میں کمی

روزہ یقیناً موٹاپے میں کمی کا باعث بنتا ہے‘ بشرطیکہ اس حکمِ خداوندی کو یاد رکھا جائے:

﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا﴾ (الاعراف: ۳۱)

’’کھاؤ اور پیو اور حد سے زیادہ خرچ نہ کرو۔‘‘

اس آیتِ قرآنی میں تلقین کی گئی ہے کہ کھانے پینے میں زیادتی نہ کرو۔ موٹا شخص سحری اور افطاری کے اوقات میں اس بات پر عمل کرے تو یقیناً موٹاپے پر قابو پا سکتا ہے۔ انسانی جسم میں اگر چربی یا روغنی خلیات مقدار اور جسامت میں بڑھ جائیں تو موٹاپا لاحق ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کے خون میں Fatty Acid اور مختلف قسم کے چربیلے اجزاء Cholestrol اور Triacylglycrel میں اضافہ ہوتا ہے۔

ایک بار یہ مرض لاحق ہو جائے تو اس سے نجات مشکل ہو جاتی ہے‘ بلکہ بسیار خوری دوسرے امراض کو دعوت دیتی ہے‘ اس لیے موٹاپا کو اُمّ الامراض کہا جاتا ہے‘ لہٰذا شحمی خلیوں (Adipose Cells) کو کنٹرول میں رکھنا بہت ضروری ہے۔ اس کا بہترین ذریعہ روزہ ہے اور مسلسل روزے رکھنے کے لیے ماہِ رمضان ایک ریفریشر کورس یعنی تربیت کا مہینہ ہے جس سے جملہ معمولاتِ زندگی میں یکسر تبدیلی آ جاتی ہے۔ ماہِ صیام میں انسان اپنی خواہشات کو قابو میں رکھتے ہوئے غذائی معاملہ میں اپنے آپ کو ایک ایسے تربیتی مرحلے سے گزارتا ہے جس سے انسانی Lipostate میں ایک امید افزا مستقل تبدیلی رونما ہو جاتی ہے۔

روزے سے سرطان (Cancer) کی روک تھام

حال ہی میں کی گئی تحقیق کے مطابق روزہ سرطان (Cancer) کی روک تھام میں مدد دیتا ہے اور یہ جسم میں کینسر کے خلیوں کی افزائش کو روکتا ہے۔ روزے کی حالت میں جسم میں

Glucose کی مقدار کم ہو جاتی ہے۔ چونکہ جسم کو کسی بھی مشین کی طرح ایندھن (fuel) کی ضرورت ہوتی ہے‘ لہٰذا گلوکوز کی کمی کے باعث جسم توانائی کے حصول کے لیے چربی کا استعمال کرتا ہے۔ اس عمل میں Ketone Bodies بھی پیدا ہوتی ہیں جو پروٹین کو چھوٹے چھوٹے ذرّات میں توڑنے کا عمل روکتی ہیں۔ کینسر کے خلیوں کو اپنی نشوونما کے لیے پروٹین کے چھوٹے ذرّات کی ضرورت ہوتی ہے۔ روزے کی حالت میں ذرات کم پیدا ہوتے ہیں‘ اس لیے روزہ کی حالت میں کینسر سے تحفظ ملتا ہے۔

مجموعی غذائیت (Nutrition) میں اضافہ

ڈاکٹرز کہتے ہیں کہ روزے سے جسم میں کوئی نقص یا کمزوری واقع نہیں ہوتی‘ کیونکہ روزہ رکھنے سے دو کھانوں کا درمیانی وقفہ ہی معمول سے کچھ زیادہ ہوتا ہے اور درحقیقت ۲۴ گھنٹوں میں مجموعی طور پر اتنے حرارے (Calories) اور جسم کو مائع (پانی) کی اتنی مقدار مل جاتی ہے جتنی روزے کے علاوہ دنوں میں ملتی ہے۔ مزید برآں یہ بھی ایک حقیقت اور مشاہدہ ہے کہ لوگ رمضان میں پروٹین اور کاربوہائیڈریٹس عام دنوں کے مقابلے میں زیادہ استعمال کرتے ہیں۔ اس حقیقت کے پیشِ نظر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مجموعی غذائیت (حرارے) عام دنوں کے مقابلے میں جسم کو اکثر زیادہ تعداد میں ملتے ہیں۔ اس کے علاوہ جسم فاضل مادّوں کو بھی استعمال کر کے توانائی کی ضرورت پوری کرتا ہے۔

جسم کی قوتِ مدبّرہ

حقیقت یہ ہے کہ قدرتی علاج کی ہر صورت اس حقیقت پر مبنی ہے کہ قدرتِ کاملہ نے جسم کے اندر قوتِ مدبرہ پیدا کی ہے جسے آپ جسم کا ’’دفاعی نظام‘‘ بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہ قوتِ مدبرہ کسی خاص تدبیر کے بغیر ہر وقت قوتوں کی حفاظت پر مامور رہتی ہے۔ قدرتی علاج کی صورت میں وہ تدبیر اختیار کرنی چاہئیں جو قوتِ مدبّرہ کو مدد دینے والی ہوں اور ان باتوں سے بچنا چاہیے جو اسے کمزور کر دیں۔ ترکِ غذا سے بدن کی وہ قوت جو غذا ہضم کرنے میں ہر وقت استعمال ہوتی رہتی تھی‘ اب جمع ہونے لگتی ہے اور قوتِ مدبرہ کے ساتھ مل کر امراض کو بدن سے نکالنے میں مصروف ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے یہ بات کہی جاتی ہے کہ روزہ میں شفا بخشی کی زبردست صلاحیت ہے۔

دل کے دورے (Heart Attack) سے بچاؤ

دل کے دورے کے اسباب میں موٹاپا‘ مسلسل پریشانی‘ چربی کی زیادتی‘ ذیابیطس‘ بلڈ پریشر اور سگریٹ نوشی شامل ہیں۔ روزہ ان تمام وجوہات کا خاتمہ کر کے انسان کو دل کے دورے سے محفوظ رکھتا ہے۔ دل کے اکثر مریضوں کے لیے بھی روزہ اس طرح بھی بہت ہی فائدہ بخش ہے کہ عام دنوں میں دل کی طرف سے جسم کو مہیا کیے جانے والے خون کا دس فیصد غذا کو ہضم کرنے کے لیے اعضاء جسم میں چلا جاتا ہے‘ جب کہ روزے کے دوران ترکِ غذا اور نظامِ انہضام کے کم عمل کی وجہ سے خون کی یہ مقدار جو غذا کو ہضم کرنے کے لیے استعمال ہوتی تھی‘ کم ہو جاتی ہے۔ اس طرح دل کو کام بہت کم کرنا پڑتا ہے اور آرام بہت زیادہ۔

روزے سے پھیپھڑوں (Lungs) کی صفائی

پھیپھڑے براہِ راست خون کو صاف کرتے ہیں اور اس لیے ان پر براہِ راست روزے کے فوائد کا اثر ہوتا ہے۔ اگر پھیپھڑوں میں خون منجمد ہو تو روزے کی وجہ سے بہت جلد یہ شکایت رفع ہو جاتی ہے‘ اس کا سبب یہ ہے کہ ہوا کی نالیاں صاف ہو جاتی ہیں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ روزہ کی حالت میں پھیپھڑے فضلات کو بڑی تیزی کے ساتھ خارج کرتے ہیں‘ اس سے خون اچھی طرح صاف ہونے لگتا ہے اور خون کی صفائی سے تمام جسمانی نظام میں صحت کی لہر دوڑ جاتی ہے۔

روزے کے زبان (Tongue) پر اثرات

روزے کا اثر زبان پر بھی دیکھا گیا ہے۔ اگر مریض کی زبان صاف ہو تو یہ اس کی تندرستی کی علامت سمجھی جاتی ہے‘ اگر زبان صاف نہ ہو اور اس پر کوئی تہہ چڑھی ہوئی ہو تو انسان کسی بیماری میں مبتلا سمجھا جاتا ہے۔ روزے نے یہ نظریہ بالکل غلط ثابت کیا ہے۔ چنانچہ زبان پر ایک تہہ کا چڑھا ہونا زبان کے صاف ہونے کی نسبت زیادہ بہتر ہے اور تندرستی کی علامت قرار دیا گیا ہے۔ یہ حقیقت اس امر واقعہ پر مبنی ہے کہ زبان کیسی ہی صاف کیوں نہ ہو‘ روزے کے بعد اس پر ایک تہہ چڑھ جاتی ہے اور روز بروز یہ تہہ موٹی ہوتی جاتی ہے۔ جن لوگوں کو علاج بالصوم کا تجربہ ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ روزہ کے پہلے دن مریض کا حال اتنا بہتر نہیں ہوتا جتنا روزوں میں ایک ہفتہ گزارنے کے بعد ہوتا ہے۔ لہٰذا زبان پر جو تہہ چڑھ جاتی ہے یہ بدن کی فاضل رطوبتوں کی ہوتی ہے اور یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ بدن کی فاضل رطوبات خارج ہو رہی ہیں اور جسم تندرستی کی طرف رواں دواں ہے۔

روزے کے حواسِ خمسہ (Five Senses) پر اثرات

حواسِ خمسہ پر روزے کا حیرت انگیز اثر پڑتا ہے۔ بینائی میں نمایاں اضافہ ہوتا ہے‘ یہی حالت سونگھنے اور سننے کی قوتوں کی ہوتی ہے اور یہ قوتیں ایسی تیز ہو جاتی ہیں کہ اس تیزی کی مثال گزشتہ عمر میں نہیں ملتی۔ اکثر لوگ دیکھے گئے ہیں کہ علاج بالصوم سے پہلے چشمہ استعمال کرتے تھے لیکن روزے کے بعد ان کی بینائی صاف اور روشن ہو گئی‘ سننے کی قوت میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا اور کانوں کا بھاری پن دور ہو گیا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ کانوں کے اندرونی حصے میں انجمادِ خون رفع ہو جاتا ہے اور ہوا کی گزرگاہ وسیع ہو جاتی ہے اور اس طرح کان کے پردوں پر ہوا کا مناسب دباؤ پڑتا ہے۔ اسی طرح قوتِ ذائقہ کی تمام خرابیاں روزہ سے دور ہو جاتی ہیں۔

نفسیاتی امراض (Psychological Diseases) پر اثرات

روزے کے فوائد خالص نفسیاتی نوعیت کے عارضوں میں بھی حاصل ہوتے ہیں۔ اگر آپ نے کسی دن کھانے میں بداحتیاطی کی ہو تو آپ کو اس بات کا تجربہ ہوگا کہ خواب میں آپ کو پریشان کن چیزیں اور خوفناک مناظر نظر آتے ہیں‘ کام کی طرف سے طبیعت اچاٹ ہونے لگتی ہے‘ چنانچہ یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ روزہ نفسیاتی عوارض کو بھی دور کرتا ہے۔ اوہام وافکار‘ ہسٹیریا‘ مالیخولیا اور مراق‘ جو بدن کے سمی مادّوں کی وجہ سے پیدا ہوں‘ ان میں روزہ نہایت مفید ہے۔ ان امراض میں سے امراضِ غدود کو بھی روزہ دور کرتا ہے اور صحت بحال ہوتی ہے۔ اسی طرح قولون کے مریضوں کو روزہ سے بہت فائدہ ہوتا ہے اور الرجی کے بعض امراض میں بھی روزہ مفید ہے۔ وہ دیوانگی جو خون میں زہریلے مواد مل جانے سے پیدا ہو‘ روزہ سے دور ہو جاتی ہے۔ اگر دماغ کو کوئی صدمہ پہنچے جس سے اس کے اعمال میں خلل واقع ہو تو روزہ نہایت ضروری ہے۔ ایسی حالت میں اس وقت تک روزے رکھے جائیں جب تک دماغی حالت درست نہ ہو جائے اور حواسِ خمسہ صحیح طور پر کام نہ کرنے لگیں۔

روزہ روح (Soul) کی غذا

یہ ایک دلچسپ صورتِ حال ہے جسے مادّہ پرست ذہن نہیں سمجھ سکتا۔ جسم کی غذا لحمیات‘ روغنیات‘ حیاتین‘ نشاستہ وغیرہ پر مشتمل گوشت‘ مچھلی‘ انڈے‘ روٹی‘ چاول‘ دودھ اور سبزی پھل وغیرہ کی شکل میں ہوتی ہے۔ گویا جسم کی خوراک یہ سب کچھ کھانا ہے‘ لیکن اس کے برعکس روح

کی خوراک روزہ رکھنا ہے۔ بظاہر یہ بات بڑی عجیب سی معلوم ہوتی ہے‘ لیکن حقیقت یہی ہے کہ بھوک روحانی اور نورانی خوراک ہے‘ کیونکہ مادّی خوراک سے مادّی قوت پیدا ہوتی ہے جو شہوانی نشے اور خمار کی شکل میں رگ رگ میں دوڑ جاتی ہے اور انسان تسکین ہوس کے لیے ایسی بے ہودہ تدبیریں سوچنے اور وحشیانہ حرکتیں کرنے لگتا ہے جو واہیات‘ مکروہ اور اخلاق سوز ہی نہیں بلکہ خلافِ انسانیت بھی ہوتی ہیں۔ اس کے برعکس بھوک سے جسم نڈھال ہو جاتا ہے‘ کوئی شہوت انگیز قوت جنم نہیں لیتی اور نہ طبیعت پر کوئی خمار طاری ہوتا ہے۔ گناہ کے لیے انسان کے دل میں کوئی امنگ اور جذبہ پیدا نہیں ہوتا۔ یہی کیفیت وہ خوراک ہے جو روح کو تازگی اور توانائی بخشتی ہے اور اسے قوت و طاقت کا پہاڑ اور عظمت کا آسمان بنا دیتی ہے۔ اس بھوک کا دورانیہ جتنا لمبا ہو اسی قدر یہ خوراک بھی زیادہ اعجازی اثر (High potency) کی حامل اور قوی ہو جاتی ہے۔

انسان کا وجود دراصل جسم اور روح پر مشتمل ہے۔ گویا ایک اس کا حیوانی وجود ہے اور ایک روحانی وجود۔ روزہ حیوانی وجود یعنی جسم کے تقاضوں پر پابندیاں اور قدغنیں لگاتا ہے‘ جب کہ روح کو غذا اور تقویت فراہم کرتا ہے۔ روح کی اصل غذا کلام الٰہی ہے‘ جس سے روح کو مستفید اور متمتع ہونے کا رمضان المبارک میں خوب موقع ملتا ہے۔

روزے کے مزاج و اخلاق پر اثرات

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((یَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ! مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْکُمُ الْبَاءَۃَ فَلْیَتَزَوَّجْ ، فَاِنَّہٗ اَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَاَحْصَنُ لِلْفَرْجِ ، وَمَنْ لَمْ یَسْتَطِعْ فَعَلَیْہِ بِالصَّوْمِ ، فَاِنَّہٗ لَہٗ وِجَاءٌ))

(صحیح البخاری‘ : ۵۰۶۶ وصحیح مسلم : ۱۴۰۰)

”اے نوجوانوں کی جماعت! جو شخص تم میں سے گھر گرہستی کا بوجھ اٹھانے کی ہمت رکھتا ہو اسے نکاح کر لینا چاہیے‘ کیونکہ وہ نگاہ کو نیچی رکھنے والا اور شرم گاہ کو محفوظ رکھنے والا ہے‘ اور جو شخص طاقت نہ رکھتا ہو اسے روزہ رکھنا چاہیے‘ کیونکہ روزہ اس کے حق میں شہوت کو کم کرنے والا ہوتا ہے۔“

Finland کے سائنسدان Huhtaniami کے تجربوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ روزے سے releasing harmones کی gonodotrophin receptor کی مقدار کم

ہو جاتی ہے۔ اسی طرح Luteinizing Harmone (L.H) اور Follicle Stimulate Harmone (F.S.H) کی مقدار گھٹ جاتی ہے۔ ان ہارمونز کے بڑھ جانے یا کم ہو جانے سے انسان کے مزاج اور سوچنے کی صلاحیت پر غیر معمولی اثر پڑتا ہے۔ (L.H) اور (F.S.H) قوتِ محرکہ کے کم ہونے سے آدمی کی جنسی بھوک کم ہو جاتی ہے اور سوچنے کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے‘ جو اس کی اخلاقی‘ نفسیاتی اور روحانی ترقی کا باعث ہے۔

روزے سے قوتِ ارادی (Will Power) پر اثرات

روزہ ارادے کی تقویت (Reinforcement) کے لیے ایک بہترین عملی مشق ہے۔ آدمی کا دیر تک کھانے پینے سے رکا رہنا اسے محنت و مشقت برداشت کرنے کا عادی بناتا ہے۔ جرمنی کے سکالر ”جیہارڈٹ“ نے قوتِ ارادی پر ایک کتاب لکھی ہے اور انھوں نے روزے کو قوتِ ارادی پیدا کرنے کے لیے ایک بنیادی عمل قرار دیا ہے کہ اس کے ذریعے ابھرنے والی خواہشات پر قابو حاصل ہوتا ہے‘ نیز اس کے سالانہ تکرار سے ارادے کی کمزوری سے حفاظت ہوتی ہے‘ پختگی حاصل ہوتی ہے۔ اس طرح ایک ایسا ڈسپلن معرضِ وجود میں آتا ہے جس کے ذریعے ہر قسم کے نشے سے بھی جان چھڑائی جا سکتی ہے۔

بہر حال روزہ رکھنا ایک نہایت قوی روحانی عمل ہے جس کے درج بالا بے شمار دُنیوی اور جسمانی فوائد کے ساتھ ساتھ لاتعداد دینی اور اخروی فوائد بھی ہیں۔ روزے کی بدولت انسان دنیا میں پاکیزہ زندگی اور آخرت میں جہنم کی آگ سے بچ کر جنت کی ابدی اور لازوال نعمتوں کو حاصل کر سکتا ہے۔ ❀❀❀

1

تقویٰ‘ شکر اور ہدایت کا مخزن

عامرہ احسان

اللہ تعالیٰ اپنی شانِ کریمی لیے بندوں کو سنبھل جانے کی ایک اور مہلت دے رہا ہے۔ سو رحمت و مغفرت اور نارِ جہنم سے نجات کے پروانے دے کر رمضان بھیج دیا ہے۔ الرحمٰن کی شان یہی ہے کہ وہ بے کنار سمندروں جیسا ظرف رکھتا ہے! مخلوق نافرمانیوں‘ بغاوتوں کی ساری حدیں توڑنے پر کمربستہ ہے اور خالق پھر پکارتا ہے: باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ!۔ لوٹ آ! اپنے خالق (کی مغفرت) کی طرف۔ تو جو کوئی بھی ہے‘ شرک و بت پرستی میں غرق ہے۔ لہو و لعب‘ بے حیائی کی حدیں توڑ رہا ہے۔ ۹۹ کا قاتل ہے۔ آ دیکھ یہ مہینہ تیرے تزکیے‘ صفائی ستھرائی کو رحمت کی نرم پھوار لیے آ رہا ہے۔ باز آ! اس کی مغفرت تیرے سارے پچھلے گناہ دھو دے گی۔ اجلا ستھرا ہو گیا تو جہنم سے بچا لیا جائے گا۔ کامیاب و کامران ہو جائے گا۔ ﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ﴾ (آل عمران:۱۸۵) ’’جو وہاں آتشِ دوزخ سے بچ جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے وہی کامیاب و سرخرو ہے‘‘۔ مرنے سے پہلے پہل یہ سامان کر لو اس لیے کہ ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ﴾ (آل عمران:۱۸۵) ’’موت کا مزا تو ہر ذی روح نے چکھنا ہی ہے‘‘۔

آج علوم کے زناٹوں بھری دنیا میں یہی ایک علم عنقا ہے۔ اندازہ کریں کہ علوم کی دنیا کا بے تاج بادشاہ مغرب‘ انسان کی حیوانی زندگی سے ماورا کچھ بھی تو نہیں جانتا۔ روح کیا ہے‘ کہاں سے آتی ہے‘ کہاں چلی جاتی ہے؟ (یہ تذکرہ یہاں اس لیے ضروری ہے کہ رمضان روح کی پاکیزگی اور بالیدگی کا مہینہ ہے) —— یہ ایک سربستہ راز ہے۔ یہ راز جس دروازے سے ملنا تھا اسے مغرب نے تین صدی پہلے سختی سے بند کر کے اس کے آگے دیوار چن دی۔ دروازۂ نبوت! آسمان اور زمین‘ خالق اور مخلوق کے مابین ہر رابطے سے منہ موڑ لیا‘ انکار کر دیا۔ اپنا نیا باپ جنگل سے ڈھونڈ نکالا۔ حوالہ بنی آدمؑ کی جگہ بنی بندر ہو گیا۔ باپ آدمؑ‘ ماں حوا اور پورے سلسلۂ وحی و نبوت کا مذاق اڑایا۔ فلسفے گھڑے۔ تاہم وہ دن اور آج کا دن

سارے مادی سوال حل کر ڈالے۔ مگر یہ مسئلہ ’روح‘ رہا وہیں کا وہیں! بار بار سائنسدان بٹھائے۔ موت کیا ہے‘ مابعد الموت کیا ہے؟ یہ ملین ڈالر کا سوال حل نہ ہو سکا۔ جس ڈھٹائی سے کفارِ مکہ نے حیات بعد الموت کا انکار کیا تھا‘ عین اسی ڈھٹائی اور جہل و جہالت سے آج کا اعلیٰ تعلیم یافتہ یا اعلیٰ ڈگری یافتہ (’AXACT‘ ڈگری سکینڈل کے بعد یہ دونوں الگ الگ باتیں ہو گئی ہیں) انکار کرتا ہے۔ کفار نے کہا تھا: ﴿هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿٣٦﴾ اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿٣٧﴾﴾ (المؤمنون) ’’ناممکن‘ بالکل ناممکن ایسا ہونا جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے (یعنی بعث بعد الموت!) یہ کچھ نہیں ہے مگر یہی دنیا کی زندگی جس میں ہم مرتے اور جیتے ہیں اور ہم ہرگز دوبارہ اٹھائے جانے والے نہیں‘‘۔ عین یہی بات ایک مشہور مغربی سائنس فکشن لکھنے والے نے کہی۔ بے شمار کتابوں کا مصنف آئزک ازمق جب مرنے لگا تو لوگوں نے پوچھا کہ تم مر کر کہاں جاؤ گے‘ تمہارے ساتھ کیا ہو گا؟ تو کہنے لگا: Nothing,Nothing...... کچھ بھی نہیں‘ کچھ بھی نہیں۔ بس میں مر کر مٹی میں مل کر مٹی ہو جاؤں گا۔ یہ ہے چودہ سو سالہ ترقی اور علم کا ماحصل۔ زندگی بارے ناگزیر ترین سوال کا جواب وہی بوجہلی‘ بولہبی ہے!

اس تمہید طولانی کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ آج دنیا جہالتوں میں غوطہ زن ہے۔ نیپال میں ہزاروں لوگ زلزلے میں (1.5 ارب مسلمانوں کے ہوتے ہوئے) اپنے رب کو جانے بغیر کیڑے مکوڑوں جیسی حیوانی زندگی گزار کر مر گئے۔ ہم نے خدمتِ خلق کے جذبے کے تحت ڈاکٹر اور امداد بھیجی۔ جیتے جی انہیں زندگی کا اہم ترین راز نہ دیا۔ مرنے کے بعد؟ الآن! اب آئے ہو؟ اصل خدمت جس کے لیے ہم منتخب ہوئے تھے‘ چنے گئے تھے‘ مسلمان پیدا ہوئے تھے‘ وہ تو مخلوق کو خالق سے آگاہ کرنا تھا۔ رازِ زندگی‘ طرزِ زندگی بتانا تھا۔ لوگ کتے بلیاں کھاتے‘ بے خدا زندگی گزار کر خدا سے جا ملیں؟ جبکہ ہم اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ...... دنیا بھر کے انسانوں کے لیے نکالا گیا گروہ! شارٹ لسٹ ہونے والے‘ تاکہ القرآن ’هُدًى لِّلنَّاسِ ...... تمام انسانوں کی رہنمائی کا سروسامان ان تک علم و عمل کی زبان سے پہنچا سکیں۔ جو بات تمہیں پتا ہے بتاتے کیوں نہیں؟ دنیا پہیلیاں بوجھتی ٹامک ٹوئیاں مار رہی ہے۔ برس ہا برس کی تحقیق کے بعد اب جرمن محقق صرف یہاں تک پہنچے ہیں کہ سائنسی بنیاد پر اعتراف کیا ہے: موت کے بعد بھی زندگی جاری رہتی ہے‘ حالانکہ وہ بنیاد؟ پائے استدلالیاں چوبیں بود۔ پائے چوبیں سخت

بے تمکین بود۔ نری لکڑی کی بیساکھیوں جیسی بے حقیقت دلیلیں ہیں۔ اور ہمارے پاس؟ حجت بالغہ ہے! حقیقت رس حجت! میرے الامین الصادق نبی (ﷺ) کے عین الیقین، علم الیقین والی دلیل اور گواہی!

اس بھاری بھرکم ذمہ داری کے شایانِ شان ہمیں بنانے کو رمضان آیا ہے۔ مجھے اور آپ کو قوی کرنے، کمزور پڑتی قوتِ ایمانی کو ری چارج کرنے کے لیے، تاریکیاں چھٹ جائیں، نورِ قرآنی، نورِ ایمانی سے گھنگھور اندھیرے دور ہو جائیں۔ ہمیں اللہ اپنا چنیدہ، اپنا لشکری کہتا ہے: ﴿هُوَ اجْتَبٰىكُمْ ...... ﴾ اس نے تمہیں اپنے کام کے لیے چن لیا ہے...... ﴿هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا﴾ (الحج:۷۸) اس نے تمہارا نام 'مسلم' (اطاعت گزار) رکھا پہلے بھی اور (آج) اس قرآن میں بھی! (ذرا دیکھو تم کس کے لیے کام کر رہے ہو؟ اطاعت بلاچون وچرا کس کی کر رہے ہو؟) ﴿وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝﴾ (الصافات) ''یہ ہمارا لشکر/ہماری فوج ہے، یہی غالب رہے گی!'' گیارہ مہینے دنیا کے ہوں گے۔ یہ ماہِ مبارک، رمضان اللہ کے لشکر، اس کے عساکر کا مہینہ ہے۔ اس کی تربیت ہوگی۔ عرب گھوڑے اونٹ کی تربیت بھوک، پیاس، ہوا کے تھپیڑوں سے کرتے تھے تاکہ وہ جنگوں میں ثابت قدم اور مضبوط رہیں۔ رمضان ہمارے نفس کے بے لگام گھوڑے کی تربیت کرنے، سخت کوشی سکھانے آتا ہے۔ پورا سال خواہشاتِ نفس کی اسیری اور وجود کے حیوانی حصے کے فرمائشی پروگرام پورا کرنے میں گزرتا ہے۔ چہار جانب سے اُمڈتے اشتہا انگیز اشتہارات 'کھالے پی لے جی لے' (حقیقی حیوانی ایجنڈا!) 'فکر نہ کر عیش کر'، 'دل ہے تو مانگو اور'۔ اب رمضان میں جسم بھوک برداشت کرے گا، دل کی ایک نہ سنی جائے گی، اسے تابع فرمان رہنا ہوگا۔ روح سارا دن چرتی چگتی پھرے گی، قرآن، حدیث، اذکار، نمازیں، تراویح، مزے ہی مزے، فرشتوں جیسے! جسم بھوک برداشت کرے گا، صبر وضبط کے بند باندھے گا۔ زبان پر پہرا، جھوٹ، غیبت، جھگڑا بدکلامی، آنکھ پر پہرا، نگاہ تجاوز نہ کرے گی، غضِ بصر سیکھے گی، کان پر پہرا۔ موسیقی/غنا سے نفاق اس طرح اُگتا ہے جیسے پانی سے سبزہ۔ نبی ﷺ کے اس فرمان پر کان دھر کر دل ونگاہ اور گوشِ نصیحت نیوش ہوں گے۔ بے حدود وقیود ماحول اور معاشروں میں منضبط سپاہ، پانچ وقت مسجد کی نماز اور زندگی کے ہر دائرے میں اللہ کے احکام کے پابند ہوں گے۔ خواہ وزارت کی کرسی ہو یا تجارت کی، خاتونِ خانہ ہو، استاد ہو یا شاگرد، ہمہ گیر دین کے ہر حصے پر عمل ہوگا۔ خوشنودیٔ رب اور رضائے رب تعالیٰ نگاہوں میں بسا کر، فرشتوں جیسے ہو جائیں گے (اگر توجہ یعنی ایمان واحتساب کے ساتھ

روزے رکھیں) ﴿لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝۶﴾ (التحریم) ''اللہ کے کسی حکم سے سرتابی نہیں کرتے اور جو حکم دیا جائے بجالاتے ہیں''۔ سو بندۂ مؤمن ایسا ہو جائے یہی مطلوب ہے۔ یہ عشق اور ایمان کا مہینہ ہے، عقل کو ایک طرف رکھ کر۔

عقل کو تنقید سے فرصت نہیں　　عشق پر اعمال کی بنیاد رکھ!

یوں بھی معاملہ تو یہ ہے کہ عشق از آدم زیرکی زابلیس۔ عشق نے آدمؑ کو ایک خطا پر زار زار رلایا۔ گڑگڑا کر توبہ کروائی اور ابلیس، تیزی طراری، بحث مباحثہ، حیل وحجت (گناہ/اللہ کی نافرمانی کرکے) بگھارتا رہا۔ یہ عقل کے کرشمے تھے۔ بندۂ مؤمن کی پہچان تو یہ ہے کہ باپ آدمؑ کی طرح نسیان میں مبتلا ہو کر خطا تو ہو سکتی ہے مگر لَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا خطا پر اصرار تکرار نہیں کرتا۔ جھک کر معافی مانگتا ہے۔ بلند تر کر دیا جاتا ہے۔ کیونکہ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ''اللہ کے سوا اور ہے کون جو گناہ بخش دے! رمضان ایک تازہ مہلت لاتا ہے۔ جنت کے سارے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور کوئی دروازہ بند نہیں ہوتا۔ جہنم کے سارے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، کوئی دروازہ کھلا نہیں رہتا۔ منادی آواز دیتا ہے: اے خیر کے طلبگار! آگے بڑھ اور اے شر کے طلب گار! رک جا۔ (ترمذی) نیز یہ بھی کہ شیاطین اور سرکش جنوں کو بیڑیاں پہنا دی جاتی ہیں۔ جیسے کسی معزز مہمان نے آنا ہو تو کتا اتنی دور لے جا کر باندھ دیا جاتا ہے کہ اس کے بھونکنے کی آواز بھی سمع خراشی نہ کرے۔ ایسے میں کتنا بدنصیب ہے جو خیر کے سارے مواقع ٹھکرا کر رمضان بھر دوزخ کے بند دروازے کھٹکھٹاتا رہے، بدی کے ذوق وشوق میں کوئی کمی نہ آنے دے۔ بڑا شیطان قید میں ہو تو چھوٹے شیطان کو بھی مقید ہونا چاہیے، یعنی ٹیلی ویژن۔ بڑا شیطان جاتے ہوئے ساری ذمہ داریاں اپنے برادر خورد کو دے جاتا ہے۔ اسلامی پروگراموں کے جھانسے میں رینڈ کارپوریشن، اسلام کے رنگ برنگے تماشے قیمتی گھڑیاں نگل جانے کو سجے ہوتے ہیں۔ نیٹ پر بھی محتاط ہونے کی ضرورت ہے۔ علماء کی جگہ سکالرز چھائے ہوئے ہیں۔ ایک سکالر جو نوجوانوں میں بہت مقبول ہیں (انگریزی میں خطابت ہے) ان کے ہاں یکایک تقریر/خطاب بلکہ درسِ قرآن پس منظر میں چلے گئے۔ سامنے کارٹون، خاکے (illustrations) نگاہوں کی سیرابی کو چل رہے ہیں۔ مثلاً 'دعوتِ دین' (يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ) کے حوالے سے 'ٹاک' (Talk) ہو رہی ہے۔ آیت کا حوالہ سورۂ طٰہٰ کا ہے: ﴿اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝۴۳ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ۝۴۴﴾ ''تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ کہ وہ سرکش ہو گیا ہے۔ اس سے

نرمی کے ساتھ بات کرنا شاید کہ وہ نصیحت قبول کرلے یا ڈر جائے''۔ سکرین پر فرعون کا کارٹون' خاکہ بنا ہے' فرعون بیٹھا ہے۔ اب ہم خوفزدہ ہو گئے کہ خدانخواستہ حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو نہ لا کھڑا کریں۔ تاہم اسی دوران سکرین پر ایک لڑکا دو غبارے لال رنگ کے دل کی شکل والے (عین وہی جو ویلنٹائن ڈے پر اب پورے پاکستان میں محبت کی علامت بن کر بازاروں میں بیچے جاتے ہیں) لیے نمودار ہوتا ہے۔ ''قَوْلًا لَّيِّنًا'' (نرم بات) کو ظاہر کرنے کے لیے۔ تاہم عام ذہن خدانخواستہ غبارہ بردار پر نبی کو بھی قیاس کر سکتا ہے۔ اور یہ نہایت مقبول نومان علی خان صاحب کا درس ہے۔ فتویٰ ہر چیز پر آج کل حاصل کر لیا جاتا ہے' مصوری پر صحیح حدیث کی ڈرا دینے والی تنبیہہ کے باوجود! ایمان بالغیب' خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ والے مسلمانوں کی نگاہوں کی سیرابی کے لیے فرعون کا مجسم سامنے آنا ایسی کون سی ناگزیر ضرورت ہے؟ مقصود یہ متنبہ کرنا ہے کہ رمضان کو قرآن کے ساتھ گزارنے کے لیے آنَاءَ الَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ میں درست مقام کا انتخاب ضروری ہے۔ دن کے دروس اور راتوں کی تراویح خشیت الٰہی پر مبنی ہوں۔ اللہ ہماری جھولیاں خیر سے بھر دے۔ ﴿رَبِّ اِنِّيْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ﴾ ہم اپنی اوقات کے مطابق نہیں مانگتے۔ یا ربی! تو اپنی شانِ کریمی کے مطابق رمضان کی خیر سے نواز۔ ہمارے ظروف و پیمانے بڑھا دے (آمین!)۔ آئندہ زندگی کے سامان کا یہ نادر موقع ہے۔ اس دن کا معاملہ کتنا کڑا ہے۔ ابو الانبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا دیکھئے: ﴿وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ۝٨٧ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۝٨٨ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۝٨٩﴾ (الشعراء) ''اور مجھے اس دن رسوا نہ کرنا جب کہ سب لوگ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔ جب نہ مال کوئی فائدہ دے گا نہ بیٹے' بجز اس کے کہ کوئی شخص قلب سلیم لیے ہوئے اللہ کے حضور حاضر ہو''۔ وہ ہستی جس کے لیے اللہ محبت اور ناز سے بھرپور تذکرے قرآن میں لاتا ہے: ﴿وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰۤى ۝٣٧﴾ (النجم) ''وہ ابراہیم جس نے وفا کا حق ادا کر دیا!'' اس دن کی رسوائی سے خوفزدہ ہیں؟ کہتے ہیں اس دن بیٹے بھی فائدہ نہ دیں گے (نہ ہی مال)۔ سوچیے! چشم تصور سے دیکھئے۔ بیٹے کون ہیں؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک جانب اسماعیل علیہ السلام اور امام الانبیاء محمد ﷺ ہیں۔ دوسری جانب حضرت اسحاق علیہ السلام اور ان کی ذریت سے جلیل القدر انبیاءؑ مزید کم و بیش بارہ انبیاء ہیں۔ حضرت یوسف' داؤد' سلیمان علیہم السلام جیسے بادشاہ نبی اور پھر کلیم اللہ اور روح اللہ علیہما السلام! ایک جانب خانہ کعبہ ہے تو دوسری جانب بیت المقدس! اس شان کا نبی اس دن سے ڈر رہا ہے! نجات کس ذریعے سے ہے؟ قلب سلیم سے! صحیح سالم دل .... احسان کے

رو بہ بندگی پر قائم' خشیتِ الٰہی اور حُبِّ الٰہی سے معمور دِل۔ حب دنیا' ہر کھوٹ کپٹ سے پاک قرآن سے منور دل۔ جس دل کی بہار قرآن' جس سینے میں دل رکھا ہے وہ قرآن کے نور سے منور طاقچہ ہے! رمضان اسی قلب سلیم کی تیاری کے لیے آیا ہے۔ دل کا برتن اجلا کر کے اسے اللہ کے حضور حاضری کے لیے تیار کرنا ہے۔ تقویٰ سے بھر جائے ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾...... شکر گزار بن جائے ﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ اور ﴿لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ﴾...... ہدایت یافتہ ہو جائے۔ یہی تین عطائیں رمضان کی اللہ نے گنوائی ہیں۔ اللہ ہمیں مالا مال کر دے (آمین!)

قرآن کیسے پڑھنا' کیسے سننا ہے یہ بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سیکھئے۔ ہمیں آیات میں اوروں کی خطائیں نظر آتی ہیں' لیکن صحابہؓ کا معاملہ کیا تھا؟ جب سورۃ الحجرات کی آیت نازل ہوئی:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝٢﴾

''اے اہل ایمان! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ نبی سے اونچی آواز میں بات کرو' کہیں تمہارا سب کیا کرایا (اعمال) غارت نہ ہو جائے اور تمہیں اس کا شعور بھی نہ ہو!''

ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ روتے ہوئے گھر کے دروازے بند کر کے بیٹھ گئے کہ میری آواز بلند ہے۔ انہیں یہ غم کہ یہ آیت میرے ہی لیے نازل ہوئی ہے! تاآنکہ نبی ﷺ نے بشارت اور تسلی دی تو مطمئن ہوئے۔ ادھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ حال کہ آواز فطرتاً بلند تھی۔ سرگوشیوں میں بات کرنے لگے کہ یہ تو میرا ذکر ہے۔ ہمارے ہاں والا معاملہ نہیں ہے کہ عمرؓ کہتے یہ تو ثابتؓ ہیں' ان کی آواز اونچی ہے اور ثابتؓ' عمرؓ کو تنبیہہ کرتے! بس یہی فرق ہے آج ہمارے قرآن پڑھنے میں اور صحابہؓ میں۔ قرآن کے رنگ میں رنگے گئے اور دنیا ان کے آگے ٹھہر نہ سکی۔ ایران و روم دم توڑ گئے۔ ہم قرآن کے ہوتے ہوئے' ڈیڑھ ارب' مال و دولت اور ایٹمی طاقت والے ہو کر بھی خود کفر کے آگے بے دم ہیں۔ رمضان میں قرآن کے روبرو خود کو پیش کر کے اپنا تزکیہ کرنا ہے۔ اسلام/ قرآن کی بنیادی اصطلاحات پر غور و فکر کر کے اپنے نظریات درست کرنے اور اپنا فریضہ دعوت پورا کرنا ہے۔ الٰہ' عبادت' دین' ایمان' شرک' کفر' نفاق' جاہلیت' بدعت' فتنہ' تقویٰ' احسان' پردہ' حجاب' صد عن سبیل اللہ' جہاد/ قتال' فلاح' خسارہ' ولاء' براء' مغضوب' ضالین ...... دجال کی آمد کی تیاری دنیائے کفر میں تو مکمل ہے۔ ہمارا قرآن سے تمسک' تعلق کتنا ہے؟ فتنۂ دجال کا تریاق قرآن ہے۔ کمر بستہ ہو جائیے۔ قرآن سے اپنا اور گھر والوں کا تعلق مضبوط کرنے کے لیے ...... لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ! ❁❁❁

الاربعیات فِی تَلخِیص اُصُول القُرآن
اصولِ قرآن کا خلاصہ‘ چار چار میں

انجینئر نوید احمد☆

(۱) تفسیر کے چار طریقے

(i) تفسیر القرآن بالقرآن:

﴿اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیۡکُمُ الۡمَیۡتَۃَ وَالدَّمَ وَلَحۡمَ الۡخِنۡزِیۡرِ وَمَاۤ اُہِلَّ بِہٖ لِغَیۡرِ اللّٰہِ ۚ فَمَنِ اضۡطُرَّ غَیۡرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَیۡہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۷۳﴾﴾ (البقرۃ)

’’اس نے تو تم پر یہی حرام کیا ہے: مرا ہوا جانور‘ لہو‘ سور کا گوشت‘ اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے۔ ہاں جو ناچار ہو جائے (بشرطیکہ) اللہ کی نافرمانی نہ کرے اور حد (ضرورت) سے باہر نہ نکل جائے تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔ بے شک اللہ بخشنے والا (اور) رحم کرنے والا ہے۔‘‘

سورۃ الانعام‘ آیت ۱۴۵ میں الدَّم یعنی خون کی وضاحت بیان کی گئی:

﴿قُلۡ لَّاۤ اَجِدُ فِیۡ مَاۤ اُوۡحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطۡعَمُہٗۤ اِلَّاۤ اَنۡ یَّکُوۡنَ مَیۡتَۃً اَوۡ دَمًا مَّسۡفُوۡحًا اَوۡ لَحۡمَ خِنۡزِیۡرٍ فَاِنَّہٗ رِجۡسٌ اَوۡ فِسۡقًا اُہِلَّ لِغَیۡرِ اللّٰہِ بِہٖ ۚ فَمَنِ اضۡطُرَّ غَیۡرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّکَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۴۵﴾﴾

’’کہو کہ جو احکام مجھ پر نازل ہوئے ہیں میں ان میں کوئی چیز جسے کھانے والا کھائے‘ حرام نہیں پاتا بجز اس کے کہ وہ مرا ہوا جانور ہو یا بہتا لہو یا سور کا گوشت کہ یہ سب ناپاک ہیں یا کوئی گناہ کی چیز ہو کہ اس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو۔ اور اگر کوئی مجبور ہو جائے لیکن نہ تو نافرمانی کرے اور نہ حد سے باہر نکل جائے تو تمہارا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے۔‘‘

☆ اکیڈمک ڈائریکٹر‘ قرآن اکیڈمی کراچی

(ii) تفسیر القرآن بالحدیث:

﴿اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَلَمۡ یَلۡبِسُوۡۤا اِیۡمَانَہُمۡ بِظُلۡمٍ اُولٰٓئِکَ لَہُمُ الۡاَمۡنُ وَہُمۡ مُّہۡتَدُوۡنَ ﴿۸۲﴾﴾ (الانعام)

’’جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم سے مخلوط نہیں کیا ان کے لیے امن (اور جمعیت خاطر) ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں۔‘‘

اِس آیت میں بخاری شریف کی ایک روایت کے مطابق ظلم سے مراد شرک ہے:

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ؓ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ ﴿الَّذِینَ اٰمَنُوا وَلَمْ یَلْبِسُوْا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ﴾ قُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ أَ یُّنَا لَا یَظْلِمُ نَفْسَہٗ؟ قَالَ: ((لَیْسَ کَمَا تَقُوْلُوْنَ‘ لَمْ یَلْبِسُوْا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ بِشِرْکٍ‘ أَوَلَمْ تَسْمَعُوا اِلَی قَوْلِ لُقْمَانَ لِابْنِہٖ)) ﴿یَا بُنَیَّ لَا تُشْرِکْ بِاللّٰہِ اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ﴾ (۱)

’’حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ جب آیت ﴿الَّذِینَ اٰمَنُوا وَلَمْ یَلْبِسُوْا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ﴾ نازل ہوئی تو ہم نے کہا: یارسول اللہ! ہم میں سے ایسا کون ہے جس نے اپنی جان پر ظلم نہ کیا ہو؟ تو نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’بات ایسے نہیں ہے جیسے تم کہہ رہے ہو۔ جن لوگوں نے اپنے ایمان کو ظلم سے یعنی شرک سے آلودہ نہ کیا ہو۔ کیا تم نے لقمان کی اپنے بیٹے کو یہ نصیحت نہیں سنی: ’’اے میرے بچے! اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا۔ یقیناً شرک بہت بڑا ظلم ہے۔‘‘

(iii) تفسیر القرآن بآثار الصحابہؓ:

﴿اَللّٰہُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ مَثَلُ نُوۡرِہٖ کَمِشۡکٰوۃٍ فِیۡہَا مِصۡبَاحٌ ؕ اَلۡمِصۡبَاحُ فِیۡ زُجَاجَۃٍ ؕ اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّہَا کَوۡکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوۡقَدُ مِنۡ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیۡتُوۡنَۃٍ لَّا شَرۡقِیَّۃٍ وَّلَا غَرۡبِیَّۃٍ ۙ یَّکَادُ زَیۡتُہَا یُضِیۡٓءُ وَلَوۡ لَمۡ تَمۡسَسۡہُ نَارٌ ؕ نُوۡرٌ عَلٰی نُوۡرٍ ؕ یَہۡدِی اللّٰہُ لِنُوۡرِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَیَضۡرِبُ اللّٰہُ الۡاَمۡثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۳۵﴾﴾ (النور)

’’اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے گویا ایک طاق ہے جس میں ایک چراغ ہے۔ اور چراغ ایک قندیل میں ہے۔ اور قندیل (ایسی صاف

(۱) صحیح البخاری‘ کتاب احادیث الانبیاء‘ باب قول اللہ تعالیٰ و تخذ اللہ ......

شفاف ہے کہ) گویا موتی کا سا چمکتا ہوا تارا ہے اس میں ایک مبارک درخت کا تیل جلایا جاتا ہے (یعنی) زیتون کہ نہ مشرق کی طرف ہے نہ مغرب کی طرف۔ (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ) اس کا تیل خواہ آگ اسے نہ بھی چھوئے' جلنے کو تیار ہے۔ (بڑی) روشنی پر روشنی (ہو رہی ہے)۔ اللہ اپنے نور سے جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے۔ اور اللہ (جو) مثالیں بیان فرماتا ہے (تو) لوگوں کے (سمجھانے کے) لیے۔ اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔''

امام طبریؒ نے نقل کیا ہے کہ حضرت اُبی بن کعب ؓ نے **مَثَلُ نُوْرِهٖ** کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: ''**هو عبد جعل الله القرآن والایمان فی صدره**'' (وہ ایک بندہ ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ قرآن اور ایمان رکھ دیتا ہے۔)

(iv) تفسیر القرآن بآثار التابعین:

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۪ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِیْنَ ۝۱۶﴾ (البقرۃ)

''یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے لے لی گمراہی ہدایت کے بدلہ میں' تو کچھ فائدہ نہ دیا ان کی تجارت نے اور نہیں ہیں یہ لوگ ہدایت پانے والے۔''

امام طبریؒ نے نقل کیا ہے کہ اس آیت میں حضرت قتادہؒ نے **اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى** کی تفسیر ان الفاظ سے کی ہے: ''**استحبوا الضلالة علی الهدی**'' (پسند کیا انہوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلے) جبکہ حضرت مجاہدؒ کی تفسیر ان الفاظ میں ہے: ''**اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا**'' (وہ ایمان لائے اور پھر انہوں نے کفر کیا۔)

(۲) چار چیزوں کا جاننا

(i) الفاظ کے لغوی اور شرعی معنی کا سمجھنا:

لغوی معنی:

﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِیْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَفْعَلُوْنَ ۝۴۱﴾ (النور)

''اور کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ ہی کی تسبیح کرتی ہے ہر وہ شے جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے اور پرندے بھی پر کھولے ہوئے۔ اور وہ سب کے سب جانتے ہیں'

اپنے وظیفے کو اور اپنی تسبیح کو۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے' جو کچھ کہ وہ کر رہے ہیں۔''

﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّیْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝۱۰۳﴾ (التوبۃ)

''ان کے مالوں میں سے آپ زکوٰۃ قبول کر لیں کہ اس سے آپ ان کو (ظاہر میں بھی) پاک اور (باطن میں بھی) پاکیزہ کرتے ہیں اور ان کے حق میں دعائے خیر کریں کہ آپ کی دعا ان کے لیے موجب تسکین ہے۔ اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔''

شرعی معنی:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَیْنِ ؕ﴾ (المائدۃ)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو' جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو دھو لیا کرو اپنے چہرے اور اپنے ہاتھ کہنیوں تک اور مسح کر لیا کرو اپنے سروں کا اور دھو لیا کرو اپنے پاؤں ٹخنوں تک۔''

(ii) آیات اور سورتوں کے مقاصد:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝۱﴾

(بنی اسرائیل)

''وہ (ذات) پاک ہے جو لے گیا ایک رات اپنے بندے کو مسجد الحرام (یعنی خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک جس کے اگرد گرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں تاکہ ہم اسے اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھائیں۔ بے شک وہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔''

مقصدِ آیت ہے عظمت باری تعالیٰ۔ واقعۂ معراج کا بیان اسی مقصد کا اظہار ہے۔ سورۃ الفاتحہ کا مقصد ہے سیدھی راہ کی طلب۔

(iii) اسباب النزول:

﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِیْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ

3

يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ (۱) اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ
نِّسَاۗىِٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ۭ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰۗىِٔيْ وَلَدْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا
مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ (۲) وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ ثُمَّ
يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا ۭ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ۭ
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ (۳) فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ
اَنْ يَّتَمَاۗسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ۭ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ
وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (۴)﴾ (المجادلہ)

''(اے پیغمبر ﷺ!) جو عورت آپ سے اپنے شوہر کے بارے میں بحث وجدال کر رہی ہے اور اللہ سے شکایت (رنج وملال) کر رہی ہے۔ اللہ نے اس کی التجا سن لی ہے' اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا ہے۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ سب کچھ سننے والا' سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ جو لوگ تم میں سے اپنی عورتوں کو ماں کہہ دیتے ہیں وہ ان کی مائیں نہیں (ہو جاتیں)۔ ان کی مائیں تو وہی ہیں جن کے بطن سے وہ پیدا ہوئے۔ بے شک وہ نامعقول اور جھوٹی بات کہتے ہیں' اور اللہ بڑا معاف کرنے والا (اور) بخشنے والا ہے۔ اور جو لوگ اپنی بیویوں کو ماں کہہ بیٹھیں پھر اپنے قول سے رجوع کر لیں تو (ان کو) ہم بستر ہونے سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا (ضروری) ہے۔ (مؤمنو!) اس (حکم) سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے۔ جس کو غلام نہ ملے وہ مجامعت سے پہلے متواتر دو مہینے کے روزے (رکھے)۔ جس کو اس کا بھی مقدور نہ ہو تو (اسے) ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا (چاہیے)۔ یہ (حکم) اس لیے (ہے) کہ تم اللہ اور اس کے رسول کے فرماں بردار ہو جاؤ۔ اور یہ اللہ کی حدیں ہیں۔ اور نہ ماننے والوں کے لیے درد دینے والا عذاب ہے۔''

اِن آیات کا سببِ نزول حضرت خولہ رضی اللہ عنہا بنت ثعلبہ کا نبی اکرم ﷺ سے ظہار سے متعلق مسئلہ دریافت کرنا ہے۔

(iv) ناسخ ومنسوخ کی پہچان

منسوخ:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ

صَدَقَةً ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ (۱۲)﴾ (المجادلة)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم رسولؐ سے کوئی سرگوشی کرو تو تم اپنی اس سرگوشی سے پہلے صدقہ دیا کرو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر اور پاکیزہ تر ہے۔ پس اگر تم صدقہ نہ پاؤ تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔''

ناسخ:

﴿ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ۭ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ
اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ وَاللّٰهُ
خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (۱۳)﴾ (المجادلة)

''کیا تم ڈر گئے کہ تم اپنی سرگوشیوں سے پہلے صدقہ دو۔ تو جب تم نے ایسا نہیں کیا تو اللہ نے تم پر نظر کرم کر دی' پس قائم کرو نماز اور ادا کرو زکوٰۃ اور اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی۔ اور اللہ تعالیٰ کو خبر ہے جو کچھ کہ تم کر رہے ہو۔''

(۳) قرآن کے چار بڑے مضامین

(i) توحید:

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (۱) اَللّٰهُ الصَّمَدُ (۲) لَمْ يَلِدْ ڏ وَلَمْ يُوْلَدْ (۳) وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ
كُفُوًا اَحَدٌ (۴)﴾ (الاخلاص)

''کہو کہ وہ (ذات پاک جس کا نام) اللہ (ہے) یکتا ہے۔ اللہ بے نیاز ہے اور سب اس کے محتاج ہیں۔ نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا۔ اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔''

(ii) رسالت ونبوت:

﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ
الرُّسُلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا (۱۶۵)﴾ (النساء)

''(سب) پیغمبروں کو (اللہ نے) خوش خبری سنانے والے اور خبردار کرنے والے بنا کر (بھیجا تھا) تاکہ پیغمبروں کے آنے کے بعد لوگوں کو اللہ پر الزام کا موقع نہ رہے۔ اور اللہ غالب' حکمت والا ہے۔''

(iii) صداقتِ کتاب اللہ:

﴿اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۹﴾﴾ (الرعد)

''بھلا جو شخص یہ جانتا ہے کہ جو کچھ آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر نازل ہوا ہے حق ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو اندھا ہے؟ اور سمجھتے تو وہی ہیں جو عقل مند ہیں۔''

﴿وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۳۱﴾﴾ (فاطر)

''اور یہ کتاب جو ہم نے آپ کی طرف بھیجی ہے برحق ہے اور ان (کتابوں) کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے کی ہیں۔ بے شک اللہ اپنے بندوں سے باخبر (اور ان کو) دیکھنے والا ہے۔''

(iv) قیامت اور آخرت:

﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾﴾ (البقرۃ)

''اور اس دن سے ڈرو جب کہ تم اللہ کے حضور میں لوٹ کر جاؤ گے' پھر ہر شخص اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ پائے گا اور کسی کا کچھ نقصان نہ ہو گا۔''

(۴) دعوتِ قرآنی کی مضبوطی کے لیے چار کام

(i) جہاد فی سبیل اللہ:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۱۵﴾﴾ (الحجرات)

''مؤمن تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک میں نہ پڑے اور اللہ کی راہ میں مال اور جان سے لڑے۔ یہی لوگ (ایمان کے) سچے ہیں۔''

(ii) انفاق فی سبیل اللہ:

﴿وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ وَاَحْسِنُوْا ۛ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۹۵﴾﴾ (البقرہ)

''اور اللہ کی راہ میں (مال) خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو' اور نیکی کرو' بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''

(iii) تنظیم:

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿۳۴﴾﴾ (النساء)

''مرد عورتوں پر مسلط و حاکم ہیں اس لیے کہ اللہ نے بعض کو بعض سے افضل بنایا ہے اور اس لیے بھی کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ تو جو نیک بیبیاں ہیں وہ مردوں کے حکم پر چلتی ہیں اور ان کے پیٹھ پیچھے اللہ کی حفاظت میں (مال و آبرو کی) خبر داری کرتی ہیں۔ اور جن عورتوں کی نسبت تمہیں معلوم ہو کہ سرکشی (اور بدخوئی) کرنے لگی ہیں تو (پہلے) ان کو (زبانی) سمجھاؤ (اگر نہ سمجھیں تو) پھر ان کو بستروں میں تنہا چھوڑ دو اور (اگر اس پر بھی باز نہ آئیں تو) ان کو مارو۔ پھر اگر فرماں بردار ہو جائیں تو پھر ان کو ایذا دینے کا کوئی بہانہ مت ڈھونڈو۔ بے شک اللہ سب سے اعلیٰ (اور) جلیل القدر ہے۔''

(iv) آداب:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾﴾ (النور)

''مؤمنو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے (لوگوں کے) گھروں میں گھر والوں سے اجازت لیے اور ان کو سلام کیے بغیر داخل نہ ہوا کرو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے (اور ہم یہ نصیحت اس لیے کرتے ہیں) شاید کہ تم یاد رکھو۔''

(۵) چار قسم کے دلائل

(i) دلیل عقلی:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾﴾ (البقرۃ)

''اے لوگو! عبادت کرو اپنے رب کی جس نے پیدا کیا تم کو بھی اور اُن کو بھی جو تم سے پہلے گزرے ہیں (یعنی تمہارے آباء و اَجداد) تاکہ تم بچ سکو (دنیا میں دھکے کھانے سے اور آخرت میں عذاب سے)۔''

(ii) دلیل نقلی:

﴿وَسۡـَٔلۡ مَنۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ مِنۡ رُّسُلِنَاۤ اَجَعَلۡنَا مِنۡ دُوۡنِ الرَّحۡمٰنِ اٰلِـہَۃً یُّعۡبَدُوۡنَ ﴿۴۵﴾﴾ (الزخرف)

''اور (اے محمدﷺ) اپنے جو پیغمبر ہم نے آپ سے پہلے بھیجے ہیں ان سے دریافت کرلیں' کیا ہم نے (اللہ) رحمٰن کے سوا اور معبود بنائے تھے کہ ان کی عبادت کی جائے؟''

(iii) دلیل وحی:

﴿وَالَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰہُمُ الۡکِتٰبَ یَفۡرَحُوۡنَ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ وَمِنَ الۡاَحۡزَابِ مَنۡ یُّنۡکِرُ بَعۡضَہٗ ؕ قُلۡ اِنَّمَاۤ اُمِرۡتُ اَنۡ اَعۡبُدَ اللّٰہَ وَلَاۤ اُشۡرِکَ بِہٖ ؕ اِلَیۡہِ اَدۡعُوۡا وَاِلَیۡہِ مَاٰبِ ﴿۳۶﴾﴾ (الرعد)

''اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس (کتاب) سے جو تم پر نازل ہوئی ہے خوش ہوتے ہیں اور بعض فرقے اس کی بعض باتیں نہیں بھی مانتے۔ کہہ دو کہ مجھ کو یہی حکم ہوا ہے کہ اللہ ہی کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤں۔ میں اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف مجھے لوٹنا ہے۔''

(iv) دعوت کے ثبوت کے لیے حلف یا شواہد:

﴿وَیَسۡتَنۡۢبِـُٔوۡنَکَ اَحَقٌّ ہُوَ ؕ قُلۡ اِیۡ وَرَبِّیۡۤ اِنَّہٗ لَحَقٌّ ؕ وَمَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِیۡنَ ﴿۵۳﴾﴾ (یونس)

''اور آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ آیا یہ سچ ہے؟ کہہ دو ہاں اللہ کی قسم سچ ہے! اور تم (بھاگ کر اللہ کو) عاجز نہیں کرسکو گے۔''

(۶) چار قسم کے لوگوں کی تردید

(i) مشرکین:

﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّمَا الۡمُشۡرِکُوۡنَ نَجَسٌ فَلَا یَقۡرَبُوا الۡمَسۡجِدَ

الۡحَرَامَ بَعۡدَ عَامِہِمۡ ہٰذَا ۚ وَاِنۡ خِفۡتُمۡ عَیۡلَۃً فَسَوۡفَ یُغۡنِیۡکُمُ اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖۤ اِنۡ شَآءَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ ﴿۲۸﴾﴾ (التوبۃ)

''مؤمنو! مشرک تو پلید ہیں تو اس برس کے بعد وہ خانہ کعبہ کے پاس نہ جانے پائیں' اور اگر تم کو مفلسی کا خوف ہو تو اللہ چاہے گا تو تم کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔''

(ii) یہود:

﴿وَعَلَی الَّذِیۡنَ ہَادُوۡا حَرَّمۡنَا مَا قَصَصۡنَا عَلَیۡکَ مِنۡ قَبۡلُ ۚ وَمَا ظَلَمۡنٰہُمۡ وَلٰکِنۡ کَانُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ یَظۡلِمُوۡنَ ﴿۱۱۸﴾﴾ (النحل)

''اور جو چیزیں ہم تم سے پہلے بیان کر چکے ہیں وہ ہم نے یہودیوں پر حرام کر دی تھیں۔ اور ہم نے ان پر کچھ ظلم نہیں کیا بلکہ وہی اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔''

(iii) نصاریٰ:

﴿وَمِنَ الَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّا نَصٰرٰۤی اَخَذۡنَا مِیۡثَاقَہُمۡ فَنَسُوۡا حَظًّا مِّمَّا ذُکِّرُوۡا بِہٖ ۪ فَاَغۡرَیۡنَا بَیۡنَہُمُ الۡعَدَاوَۃَ وَالۡبَغۡضَآءَ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ ؕ وَسَوۡفَ یُنَبِّئُہُمُ اللّٰہُ بِمَا کَانُوۡا یَصۡنَعُوۡنَ ﴿۱۴﴾﴾ (المائدۃ)

''اور جو لوگ (اپنے تئیں) کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں ہم نے ان سے بھی عہد لیا تھا مگر انہوں نے بھی اس نصیحت کا جو ان کو کی گئی تھی' ایک حصہ فراموش کر دیا' تو ہم نے ان کے مابین قیامت تک کے لیے دشمنی اور کینہ ڈال دیا۔ اور جو کچھ وہ کرتے رہے اللہ عن قریب ان کو اس سے آگاہ کرے گا۔''

(iv) منافقین:

﴿اِذَا جَآءَکَ الۡمُنٰفِقُوۡنَ قَالُوۡا نَشۡہَدُ اِنَّکَ لَرَسُوۡلُ اللّٰہِ ۘ وَاللّٰہُ یَعۡلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوۡلُہٗ ؕ وَاللّٰہُ یَشۡہَدُ اِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ لَکٰذِبُوۡنَ ﴿۱﴾﴾ (المنافقون)

''(اے محمدﷺ) جب منافق لوگ آپ کے پاس آتے ہیں تو (از راہ نفاق) کہتے ہیں کہ ہم اقرار کرتے ہیں کہ آپ بے شک اللہ کے پیغمبر ہیں۔ اور اللہ جانتا ہے کہ درحقیقت آپ اس کے پیغمبر ہیں لیکن اللہ ظاہر کیے دیتا ہے کہ منافق (دل سے اعتقاد نہ رکھنے کے لحاظ سے) جھوٹے ہیں۔''

(۷) شرک کی چار اقسام

(i) شرک فی العلم:

﴿قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ ؕ وَمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ﴿۶۵﴾﴾ (النمل)

’’آپ کہہ دیجیے کہ جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں‘ کسی کو بھی غیب کا علم نہیں سوائے اللہ کے۔ اور وہ تو یہ بھی نہیں جانتے کہ کب (زندہ کر کے) اٹھائے جائیں گے۔‘‘

(ii) شرک فی التصرف:

﴿قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَنْفَعُکُمْ شَیْئًا وَّلَا یَضُرُّکُمْ ﴿۶۶﴾﴾ (الانبیاء)

’’(ابراہیم نے) کہا پھر تم اللہ کو چھوڑ کر کیوں ایسی چیزوں کو پوجتے ہو جو نہ تمہیں کچھ فائدہ دے سکیں اور نہ نقصان پہنچا سکیں؟‘‘

﴿وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗۤ اِلَّا ہُوَ ۚ وَاِنْ یُّرِدْکَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِہٖ ؕ یُصِیْبُ بِہٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ ؕ وَہُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۰۷﴾﴾ (یونس)

’’اور اگر اللہ تم کو کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا اس کا کوئی دور کرنے والا نہیں‘ اور اگر تم سے بھلائی کرنا چاہے تو اس کے فضل کو کوئی روکنے والا نہیں۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے فائدہ پہنچاتا ہے‘ اور وہ بخشنے والا مہربان ہے۔‘‘

(iii) شرک فی الدعاء:

﴿وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰہِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾﴾ (الجن)

’’اور یہ کہ مسجدیں (خاص) اللہ کی ہیں تو اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو!‘‘

(iv) شرک فی العبادۃ:

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰـہُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّہٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا یُشْرِکْ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖۤ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾﴾ (الکھف)

’’کہہ دو کہ میں تمہاری طرح کا ایک بشر ہوں‘ (البتہ) میری طرف وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود (وہی) ایک معبود ہے۔ تو جو شخص اپنے پروردگار سے ملنے کی امید رکھے چاہیے کہ عمل نیک کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔‘‘

(۸) مشرکین کی چار اقسام

(i) مشرکین بالکواکب:

﴿وَمِنْ اٰیٰتِہِ الَّیْلُ وَالنَّہَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ؕ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَہُنَّ اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاہُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۳۷﴾﴾ (حٰمٓ السجدۃ)

’’اور رات اور دن اور سورج اور چاند اُس کی نشانیوں میں سے ہیں۔ تم لوگ نہ تو سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو‘ بلکہ اللہ ہی کو سجدہ کرو جس نے ان چیزوں کو پیدا کیا ہے اگر تم واقعتاً اُسی کی عبادت کرتے ہو۔‘‘

(ii) مشرکین بعباد الصالحین:

﴿اَفَحَسِبَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْۤا اَنْ یَّتَّخِذُوْا عِبَادِیْ مِنْ دُوْنِیْۤ اَوْلِیَآءَ ؕ اِنَّاۤ اَعْتَدْنَا جَہَنَّمَ لِلْکٰفِرِیْنَ نُزُلًا ﴿۱۰۲﴾﴾ (الکہف)

’’کیا کافر یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ میرے بندوں کو مجھے چھوڑ کر (اپنا) کارساز بنالیں گے؟ ہم نے تو (ایسے) کافروں کے لیے جہنم کی مہمانی تیار کر رکھی ہے۔‘‘

(iii) مشرکین بالملائکۃ:

﴿وَیَوْمَ یَحْشُرُہُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ یَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اَہٰۤؤُلَآءِ اِیَّاکُمْ کَانُوْا یَعْبُدُوْنَ ﴿۴۰﴾﴾ (سبا)

’’اور جس دن وہ ان سب کو جمع کرے گا پھر فرشتوں سے فرمائے گا کیا یہی لوگ ہیں جو تم کو پوجا کرتے تھے؟‘‘

(iv) مشرکین بالجن:

﴿وَجَعَلُوْا لِلّٰہِ شُرَکَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَہُمْ وَخَرَقُوْا لَہٗ بَنِیْنَ وَبَنٰتٍۭ بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَہٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴿۱۰۰﴾﴾ (الانعام)

’’لیکن انھوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ٹھہرا دیے جن شریک بنا کر حالانکہ ان جنات کو بھی اللہ نے بنایا ہے‘ اور انہوں نے تراش دیے اللہ کے لیے بیٹے اور بیٹیاں بغیر کسی علم کے۔ وہ (اللہ تبارک وتعالیٰ) پاک ہے اور بہت ہی بلند و بالا ہے اس جھوٹ سے جو کہ وہ گھڑ رہے ہیں۔‘‘

(۹) مقاصد کی وضاحت کے چار طریقے

(i) قصص:

﴿نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَیۡکَ اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ بِمَاۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ ہٰذَا الۡقُرۡاٰنَ ٭ۖ وَ اِنۡ کُنۡتَ مِنۡ قَبۡلِہٖ لَمِنَ الۡغٰفِلِیۡنَ ﴿۳﴾﴾ (یوسف)

''(اے پیغمبرﷺ) ہم اس قرآن کے ذریعے سے جو ہم نے آپ کی طرف بھیجا ہے آپ کو ایک نہایت اچھا قصہ سناتے ہیں اور آپ اس سے پہلے بے خبر تھے۔''

﴿لَقَدۡ کَانَ فِیۡ قَصَصِہِمۡ عِبۡرَۃٌ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ؕ مَا کَانَ حَدِیۡثًا یُّفۡتَرٰی وَ لٰکِنۡ تَصۡدِیۡقَ الَّذِیۡ بَیۡنَ یَدَیۡہِ وَ تَفۡصِیۡلَ کُلِّ شَیۡءٍ وَّ ہُدًی وَّ رَحۡمَۃً لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۱۱﴾﴾ (یوسف)

''ان کے قصے میں عقل مندوں کے لیے عبرت ہے۔ یہ (قرآن) ایسی بات نہیں ہے جو (اپنے دل سے) بنائی گئی ہو بلکہ جو (کتابیں) اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں ان کی تصدیق (کرنے والا) ہے اور ہر چیز کی تفصیل (کرنے والا) اور مؤمنوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔''

(ii) امثال:

﴿اَللّٰہُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ مَثَلُ نُوۡرِہٖ کَمِشۡکٰوۃٍ فِیۡہَا مِصۡبَاحٌ ؕ اَلۡمِصۡبَاحُ فِیۡ زُجَاجَۃٍ ؕ اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّہَا کَوۡکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوۡقَدُ مِنۡ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیۡتُوۡنَۃٍ لَّا شَرۡقِیَّۃٍ وَّ لَا غَرۡبِیَّۃٍ ۙ یَّکَادُ زَیۡتُہَا یُضِیۡٓءُ وَ لَوۡ لَمۡ تَمۡسَسۡہُ نَارٌ ؕ نُوۡرٌ عَلٰی نُوۡرٍ ؕ یَہۡدِی اللّٰہُ لِنُوۡرِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ یَضۡرِبُ اللّٰہُ الۡاَمۡثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۳۵﴾﴾ (النور)

''اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے گویا ایک طاق ہے جس میں ایک چراغ ہے۔ اور چراغ ایک قندیل میں ہے۔ اور قندیل (ایسی صاف شفاف ہے کہ) گویا موتی کا سا چمکتا ہوا تارا ہے' اس میں ایک مبارک درخت کا تیل جلایا جاتا ہے (یعنی) زیتون کہ نہ مشرق کی طرف ہے نہ مغرب کی طرف۔ (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ) اس کا تیل خواہ آگ اسے نہ بھی چھوئے جلنے کو تیار ہے۔ (بڑی) روشنی پر روشنی (ہو رہی ہے)۔ اللہ اپنے نور سے جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے۔ اور اللہ

(جو) مثالیں بیان فرماتا ہے (تو) لوگوں کے (سمجھانے کے) لیے۔ اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔''

(iii) ردِ شبہات:

﴿وَ اِذَا لَمۡ تَاۡتِہِمۡ بِاٰیَۃٍ قَالُوۡا لَوۡ لَا اجۡتَبَیۡتَہَا ؕ قُلۡ اِنَّمَاۤ اَتَّبِعُ مَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ مِنۡ رَّبِّیۡ ۚ ہٰذَا بَصَآئِرُ مِنۡ رَّبِّکُمۡ وَ ہُدًی وَّ رَحۡمَۃٌ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۲۰۳﴾﴾ (الاعراف)

''اور (اے نبیﷺ!) جب آپ ان کے پاس کوئی معجزہ نہیں لائے تو انہوں نے کہا کہ آپ کیوں نہ اسے چن کر لے آئے؟ آپ ان سے کہیے میں تو پیروی کرتا ہوں اس کی جو کہ وحی کیا جاتا ہے میری طرف میرے رب کی طرف سے۔ یہ باتیں آنکھیں کھول دینے والی ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور یہ ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے حق میں جو ایمان لے آئیں۔''

(iv) غیر اللہ کی عاجزی کا بیان:

﴿یُوۡلِجُ الَّیۡلَ فِی النَّہَارِ وَ یُوۡلِجُ النَّہَارَ فِی الَّیۡلِ ۙ وَ سَخَّرَ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ ۫ۖ کُلٌّ یَّجۡرِیۡ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمۡ لَہُ الۡمُلۡکُ ؕ وَ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖ مَا یَمۡلِکُوۡنَ مِنۡ قِطۡمِیۡرٍ ﴿۱۳﴾﴾ (فاطر)

''وہی رات کو دن میں داخل کرتا اور (وہی) دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور اسی نے سورج اور چاند کو کام میں لگا دیا ہے۔ ہر ایک ایک وقت مقرر تک چل رہا ہے۔ یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے اسی کی بادشاہی ہے۔ اور جن لوگوں کو تم اس کے سوا پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی (کسی چیز کے) مالک نہیں۔''

﴿یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسۡتَمِعُوۡا لَہٗ ؕ اِنَّ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ لَنۡ یَّخۡلُقُوۡا ذُبَابًا وَّ لَوِ اجۡتَمَعُوۡا لَہٗ ؕ وَ اِنۡ یَّسۡلُبۡہُمُ الذُّبَابُ شَیۡئًا لَّا یَسۡتَنۡقِذُوۡہُ مِنۡہُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الۡمَطۡلُوۡبُ ﴿۷۳﴾﴾ (الحج)

''لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے اسے غور سے سنو۔ جن لوگوں کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے اگرچہ اس کے لیے سب مجتمع ہو جائیں۔ اور اگر ان سے مکھی کوئی چیز لے اڑے تو اسے اس سے چھڑا نہیں سکتے۔ طالب اور مطلوب (یعنی عابد اور معبود دونوں) گئے گزرے ہیں۔''

(۱۰) چار چیزوں سے اجتناب

(i) اللہ کے حلال کردہ کو حرام ٹھہرانا:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۸۷﴾ (المائدۃ)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو حرام نہ کر لیا کرو پاکیزہ چیزوں کو جو کہ اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں اور دیکھو حد سے نہ بڑھو۔ بے شک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔"

(ii) اللہ کے حرام کردہ کو حلال کرنا:

﴿اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَةٌ فِی الْكُفْرِ یُضَلُّ بِهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّیُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّیُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَیُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُیِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ ۳۷﴾ (التوبۃ)

"امن کے کسی مہینے کو ہٹا کر آگے پیچھے کر دینا کفر میں اضافہ کرتا ہے' اس سے کافر گمراہی میں پڑے رہتے ہیں کہ ایک سال تو اس کو حلال سمجھ لیتے ہیں اور دوسرے سال حرام' تاکہ ادب کے مہینوں کی' جو اللہ نے مقرر کیے ہیں' گنتی پوری کر لیں اور جو اللہ نے منع کیا ہے اس کو جائز کر لیں۔ ان کے برے اعمال ان کو بھلے دکھائی دیتے ہیں۔ اور اللہ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔"

(iii) افتراء علی اللہ:

﴿اُنْظُرْ كَیْفَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَكَفٰی بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِیْنًا ۵۰﴾ (النساء)

"دیکھو یہ اللہ پر کیسا جھوٹ (طوفان) باندھتے ہیں۔ اور یہی گناہ صریح کافی ہے۔"

(iv) تقوّل علی اللہ:

﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ ۴۴ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْیَمِیْنِ ۴۵ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِیْنَ ۴۶ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِیْنَ ۴۷ وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ ۴۸﴾ (الحاقۃ)

"اگر یہ پیغمبر (بالفرض) ہماری نسبت کوئی بات جھوٹ بنا لاتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑ

لیتے۔ پھر ان کی رگ گردن کاٹ ڈالتے۔ پھر تم میں سے کوئی (ہمیں) اس سے روکنے والا نہ ہوتا۔ اور یہ (کتاب) تو پرہیزگاروں کے لیے نصیحت ہے۔"

(۱۱) چار اسبابِ عذاب

(i) انکارِ توحید:

﴿فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِیْنَ ۲۱۳﴾ (الشعراء)

"تو اللہ کے سوا کسی اور معبود کو مت پکارنا' ورنہ تم کو عذاب دیا جائے گا۔"

(ii) انکارِ معجزات:

﴿وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِیْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۷۳﴾ (الاعراف)

"اور قومِ ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔ (تو) صالح نے کہا کہ اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو' اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک معجزہ آ چکا ہے۔ (یعنی) یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لیے معجزہ ہے تو اسے (آزاد) چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں چرتی پھرے اور تم اسے بری نیت سے ہاتھ بھی نہ لگانا' ورنہ عذابِ الیم تمہیں پکڑ لے گا۔"

(iii) اخراج الرسل:

﴿وَاِنْ كَادُوْا لَیَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِیُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا یَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِیْلًا ۷۶﴾ (بنی اسرائیل)

"اور قریب تھا کہ یہ لوگ تمہیں زمین (مکہ) سے پھسلا دیں تاکہ تمہیں وہاں سے جلاوطن کر دیں اور اس وقت تمہارے پیچھے یہ بھی نہ رہتے مگر کم۔"

(iv) استہزاء بالرسل:

﴿وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِیْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ۱۰﴾ (الانعام)

"اور تم سے پہلے بھی پیغمبروں کے ساتھ تمسخر ہوتے رہے ہیں' سو جو لوگ ان میں سے تمسخر کیا کرتے تھے ان کو تمسخر کی سزا نے آ گھیرا۔"

(۱۲) چار سنگین غلطیاں

(i) مداہنت:

﴿وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٣٩﴾﴾ (آلِ عمران)

''اور (دیکھو) بے دل نہ ہونا اور نہ کسی طرح کا غم کرنا' اگر تم مؤمن (صادق) ہو تو تم ہی غالب رہو گے۔''

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١﴾﴾ (الاحزاب)

''اے پیغمبر! اللہ سے ڈرتے رہنا اور کافروں اور منافقوں کا کہا نہ ماننا۔ بیشک اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔''

(ii) تحریف:

﴿اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٧٥﴾﴾ (البقرۃ)

''(مؤمنو) کیا تم اُمید رکھتے ہو کہ یہ لوگ تمہارے (دین کے) قائل ہو جائیں گے (حالانکہ) ان میں سے کچھ لوگ کلام اللہ (یعنی تورات) کو سنتے' پھر اس کے سمجھ لینے کے بعد اس کو جان بوجھ کر بدل دیتے رہے ہیں۔''

(iii) کتمانِ حق:

﴿يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٧١﴾﴾ (آلِ عمران)

''اے اہل کتاب! تم سچ کو جھوٹ کے ساتھ خلط ملط کیوں کرتے ہو اور حق کو کیوں چھپاتے ہو جبکہ تم جانتے بھی ہو!''

(iv) ترکِ عمل:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴿٢﴾ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴿٣﴾﴾ (الصف)

''مؤمنو! تم ایسی باتیں کیوں کہا کرتے ہو جو کیا نہیں کرتے؟ اللہ اس بات سے سخت بے زار ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔''

﴿اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٤٤﴾﴾ (البقرۃ)

''کیا تم لوگوں کو حکم دیتے ہو نیکی کا اور اپنے آپ کو بھلا دیتے ہو جب کہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو! تو کیا تم غور و فکر نہیں کرتے؟''

(۱۳) چار طرح کے عذاب

(i) الزجر:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ۭ وَلَىِٕنْ جَاۗءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ۭ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠﴾﴾ (العنکبوت)

''اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے' پھر جب ان کو اللہ (کے رستے) میں کوئی ایذا پہنچتی ہے تو لوگوں کی ایذا کو (یوں) سمجھتے ہیں جیسے اللہ کا عذاب۔ اور اگر تمہارے پروردگار کی طرف سے مدد پہنچے تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ہی ساتھ تھے۔ کیا جو اہل عالم کے سینوں میں ہے اللہ اس سے واقف نہیں؟''

(ii) ختم القلب:

﴿اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَي الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَاۗءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٩٣﴾﴾ (التوبۃ)

''اصل الزام تو ان لوگوں پر ہے جو کہ آپؐ سے رخصت مانگ رہے ہیں جب کہ وہ غنی (مال دار) ہیں۔ وہ خوش ہو گئے اس پر کہ پیچھے رہ جانے والی عورتوں کے ساتھ رہ گئے اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی اور وہ اس کو جانتے نہیں ہیں۔''

(iii) تخویفِ دنیوی:

﴿وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۤ وَبَاۗءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿٦١﴾﴾ (البقرۃ)

''اور ان کے اوپر تھوپ دی گئی ذلت اور محتاجی و کم زوری' اور وہ اللہ تعالیٰ کا غضب لے

کرلوٹے۔ یہ سب اس لیے ہوا کہ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے تھے اور وہ قتل کرتے تھے انبیاء کو ناحق۔ ایسا اس لیے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے گزرنے والے تھے۔''

(iv) تخویفِ اُخروی:

﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٤٨﴾﴾ (البقرۃ)

''اور ڈرو اس دن سے (اللہ کی نافرمانی سے بچو) جس دن کہ کوئی جان کسی جان کو بدلہ (فائدہ) نہیں دے سکے گی کچھ بھی اور نہ قبول کی جائے گی اس کی طرف سے کوئی سفارش اور نہ ہی لیا جائے گا اس کی طرف سے کوئی فدیہ اور نہ وہ مدد کیے جائیں گے۔''

(۱۴) مشرکین کے دلائل

(i) استدلال بعمل الآباء:

﴿اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿٥٢﴾ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴿٥٣﴾﴾ (الانبیاء)

''اور یاد کرو جب کہ ابراہیمؑ نے کہا تھا اپنے والد سے اور اپنی قوم سے یہ کس طرح کی مورتیاں ہیں کہ تم جن کے لیے پوجا کرتے رہتے ہو! وہ کہنے لگے کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی پرستش کرتے دیکھا ہے۔''

(ii) اتباع الظن:

﴿وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ۭ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿٣٦﴾﴾ (یونس)

''اور ان میں سے اکثر صرف ظن کی پیروی کرتے ہیں۔ اور کچھ شک نہیں کہ ظن حق کے مقابلے میں کچھ بھی کارآمد نہیں ہوسکتا۔ بے شک اللہ تمہارے سب افعال سے واقف ہے۔''

(iii) قیاسِ فاسد:

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَاۗؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۭ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَي الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿٣٥﴾﴾ (النحل)

''اور مشرک کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم ہی اس کے سوا کسی چیز کو پوجتے اور نہ ہمارے بڑے ہی (پوجتے) اور نہ اس کے (فرمان کے) بغیر ہم کسی چیز کو حرام ٹھہراتے۔ (اے پیغمبر) اسی طرح ان سے اگلے لوگوں نے کیا تھا' پس پیغمبروں کے ذمے (اللہ کے احکام کو) کھول کر سنا دینے کے سوا اور کچھ نہیں۔''

(iv) اتباع الھواء:

﴿بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَاۗءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۭ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٢٩﴾﴾ (الرُّوم)

''مگر جو ظالم ہیں بے سمجھے اپنی خواہشوں کے پیچھے چلتے ہیں' تو جس کو اللہ گمراہ کردے اسے کون ہدایت دے سکتا ہے؟ اور ان کا کوئی مددگار نہیں۔''

(۱۵) چار طرح کے لوگوں کا سامنا

(i) محبوبین کی ملامت:

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ۭ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿١٢﴾ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۡ وَلَيُسْـَٔــلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿١٣﴾﴾ (العنکبوت)

''اور کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا' ان لوگوں سے جو کہ ایمان لائے' ہمارے راستے کی پیروی کرو اور ہم اٹھا لیں گے تمہاری خطائیں۔ اور وہ ان کی خطاؤں میں سے کچھ بھی اٹھانے والے نہیں ہیں' یقیناً وہ جھوٹے ہیں۔ اور یہ اپنے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور (لوگوں کے) بوجھ بھی۔ اور جو بہتان یہ باندھتے رہے قیامت کے دن ان کی ان سے ضرور پرسش ہوگی۔''

(ii) دشمنوں کی شماتت:

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿١١٢﴾﴾ (الانعام)

''اور اسی طرح سے ہم نے ہر نبی کے لیے دشمن ٹھہرا دیے انسانوں اور جنوں میں سے شیاطین' ان میں سے بعض بعض کو وحی کرتے ہیں ملمع کی ہوئی باتیں دھوکا دینے کے

لیے۔ (اے نبی ﷺ!) اگر آپ کا رب چاہتا تو وہ اس طرح کی حرکتیں نہ کرتے‘ پس آپ چھوڑ دیجیے ان کو اور اُس جھوٹ کو جو وہ گھڑ رہے ہیں۔‘‘

(iii) جاہلوں کا طعن:

﴿قَالُوْا یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِیْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِیْمُ الرَّشِیْدُ ﴿۸۷﴾﴾ (ھود)

’’انہوں نے کہا: اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں یہ سکھاتی ہے کہ جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں ہم ان کو ترک کر دیں یا اپنے مال میں تصرف کرنا چاہیں تو نہ کریں؟ تم تو بڑے نرم دل اور راست باز ہو!‘‘

(iv) علماءِ سوء ورہبان کا حسد:

﴿وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی لَّقُضِیَ بَیْنَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِیْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِیْبٍ ﴿۱۴﴾﴾ (الشُّوریٰ)

’’اور یہ لوگ جو الگ الگ ہوئے ہیں تو علم (حق) آ چکنے کے بعد آپس کی ضد سے (ہوئے ہیں)۔ اور اگر تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک وقت مقرر تک کے لیے بات نہ ٹھہر چکی ہوتی تو ان میں فیصلہ کر دیا جاتا۔ اور جو لوگ ان کے بعد (اللہ کی) کتاب کے وارث ہوئے وہ اس (کی طرف) سے خلجان آمیز شک میں (پڑے ہوئے) ہیں۔‘‘

(۱۶) چار آزمائشیں

(i) سبّ وشتم:

﴿لَتُبْلَوُنَّ فِیْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًی كَثِیْرًا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾﴾ (آلِ عمران)

’’(اے اہل ایمان!) تمہارے مال و جان میں تمہاری آزمائش کی جائے گی اور تم اہل کتاب سے اور ان لوگوں سے جو مشرک ہیں‘ بہت سی ایذا کی باتیں سنو گے۔ اور اگر تم صبر اور پرہیزگاری کرتے رہو گے تو یہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔‘‘

(ii) ایذا رسانی:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰی فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِیْهًا ﴿۶۹﴾﴾ (الاحزاب)

’’مؤمنو! تم ان لوگوں جیسے نہ ہونا جنہوں نے موسیٰؑ (کو عیب لگا کر) رنج پہنچایا تو اللہ نے ان کو بے عیب ثابت کیا۔ اور وہ اللہ کے نزدیک آبرو والے تھے۔‘‘

(iii) انواع الافتراء:

﴿بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۢ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚ فَلْیَاْتِنَا بِاٰیَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿۵﴾﴾ (الانبیاء)

’’بلکہ (ظالم) کہنے لگے کہ (یہ قرآن) پریشان (باتیں ہیں جو) خواب (میں دیکھ لی) ہیں‘ (نہیں) بلکہ اس نے اس کو اپنی طرف سے بنا لیا ہے‘ (نہیں) بلکہ یہ (شعر ہے جو اس) شاعر (کا نتیجہ طبع) ہے۔ تو جیسے پہلے (پیغمبر نشانیاں دے کر) بھیجے گئے تھے (اسی طرح) یہ بھی ہمارے پاس کوئی نشانی لائے!‘‘

(iv) مکر الکبراء والامراء:

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِیْ كُلِّ قَرْیَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِیْهَا لِیَمْكُرُوْا فِیْهَا ؕ وَمَا یَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾﴾ (الانعام)

’’اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں بڑے بڑے مجرم پیدا کیے کہ ان میں مکاریاں کرتے رہیں‘ اور جو مکاریاں یہ کرتے ہیں ان کا نقصان انہی کو ہے اور وہ (اس سے) بے خبر ہیں۔‘‘

(۱۷) چار طرح کے اخلاق

(i) احسان:

﴿لَیْسَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۹۳﴾﴾ (المائدة)

’’جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان پر ان چیزوں کا کچھ گناہ نہیں جو وہ کھا چکے جب کہ انہوں نے پرہیز کیا اور ایمان لائے اور نیک کام کیے‘ پھر پرہیز کیا اور

ایمان لائے' پھر پرہیز کیا اور نیکوکاری کی۔ اور اللہ نیکوکاروں کو دوست رکھتا ہے۔''

(ii) ترکِ فحشاء:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ﴾ (الانعام:۱۵۱)

''اور بے حیائی کے قریب بھی مت جاؤ خواہ وہ بے حیائی کھلم کھلا ہو یا بے حیائی کا کوئی پوشیدہ پہلو ہو۔''

﴿وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ﴿٣٧﴾﴾ (الشوریٰ)

''اور جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے پرہیز کرتے ہیں' اور جب غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔''

(iii) امر بالمعروف:

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿١٩٩﴾﴾ (الاعراف)

''(اے محمدﷺ) عفو اختیار کرو اور نیک کام کرنے کا حکم دو اور جاہلوں سے کنارہ کرلو۔''

(iv) نہی عن المنکر:

﴿لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿٧٨﴾ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿٧٩﴾﴾ (المائدۃ)

''جو لوگ بنی اسرائیل میں کافر ہوئے ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی۔ یہ اس لیے کہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے تجاوز کرتے تھے۔ (اور) برے کاموں سے جو وہ کرتے تھے ایک دوسرے کو روکتے نہیں تھے۔ بلاشبہ بہت برا تھا جو وہ کرتے تھے۔''

(۱۸) داعی کے چار کام

(i) قواعدِ تبلیغ کی پہچان:

﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ

بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿١٢٥﴾﴾ (النحل)

''(اے پیغمبرﷺ!) لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے راستے کی طرف بلاؤ اور بہت ہی اچھے طریق سے ان سے مناظرہ کرو۔ جو اس کے راستے سے بھٹک گیا تمہارا پروردگار اسے بھی خوب جانتا ہے اور جو راستے پر چلنے والے ہیں ان سے بھی خوب واقف ہے۔''

(ii) معاندین سے بے زاری:

﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰۗؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۡ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاۗءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ﴾ (الممتحنة: ٤)

''تمہارے لیے بہت اچھا نمونہ ہے ابراہیم اور ان کے رفقاء (کے طرزِ عمل) میں۔ جب انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ ہم تم سے اور ان (بتوں) سے جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو بے تعلق ہیں' (اور) ہم تمہارے (معبودوں کے) منکر ہیں' اور جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ ہم میں اور تم میں ہمیشہ کے لیے کھلم کھلا عداوت اور دشمنی ہے۔''

(iii) مؤحدین کی نصرت:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٧٢﴾﴾ (التوبة)

''اللہ نے مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں سے بہشتوں کا وعدہ کیا ہے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (وہ) ان میں ہمیشہ رہیں گے اور بہشت ہائے جاودانی میں نفیس مکانات کا (وعدہ کیا ہے)۔ اور اللہ کی رضامندی تو سب سے بڑھ کر نعمت ہے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔''

(iv) منکرین کی تردید:

﴿وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ۭ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٨﴾ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ

﴿وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ﴿۳۹﴾ (النحل)

''اور یہ اللہ کی سخت قسمیں کھاتے ہیں کہ جو مر جاتا ہے اللہ اسے (قیامت کے دن قبر سے) نہیں اٹھائے گا۔ ہرگز نہیں' یہ (اللہ کا) وعدہ سچا ہے اور اس کا پورا کرنا اسے ضرور ہے' لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ تاکہ جن باتوں میں یہ اختلاف کرتے ہیں وہ ان پر ظاہر کر دے اور اس لیے کہ کافر جان لیں کہ وہ جھوٹے تھے۔''

(۱۹) مؤحدین کے چار دلائل

(i) الکتاب:

﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ﴿۹﴾ (بنی اسرائیل)

''یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھا ہے اور مؤمنوں کو جو نیک عمل کرتے ہیں' بشارت دیتا ہے کہ ان کے لیے اجر عظیم ہے۔''

(ii) والسنّت:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۱﴾ (آل عمران)

''(اے پیغمبرﷺ! لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو' پھر اللہ بھی تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

(iii) والاجماع:

﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾ (النساء)

''اور جو شخص سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور مؤمنوں کے راستے کے سوا اور راستے پر چلے تو جدھر وہ چلتا ہے ہم اسے ادھر ہی چلنے دیں گے اور (قیامت کے دن) جہنم میں داخل کریں گے۔ اور وہ بہت بری جگہ ہے۔''

(iv) والقیاس:

﴿ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَاۗءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ۭ

هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۹﴾ (الزمر)

''اللہ ایک مثال بیان کرتا ہے کہ ایک شخص ہے جس میں کئی (آدمی) شریک ہیں (مختلف المزاج اور) بدخو اور ایک آدمی خاص ایک شخص کا (غلام) ہے۔ بھلا دونوں کی حالت برابر ہے۔ (نہیں) الحمد للہ بلکہ اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

﴿ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ۭ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَاۗءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَاۗءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾ (الروم)

''وہ تمہارے لیے تمہارے ہی حال کی ایک مثال بیان فرماتا ہے۔ بھلا جن (لونڈی غلاموں) کے تم مالک ہو وہ اس (مال) میں جو ہم نے تم کو عطا فرمایا ہے' تمہارے شریک ہیں؟ اور (کیا) تم اس میں (ان کو اپنے) برابر (مالک سمجھتے) ہو (اور کیا) تم ان کے بارے میں ایسے خدشات رکھتے ہو جیسے خدشات خود اپنے بارے میں رکھتے ہو؟ اسی طرح ہم عقل والوں کے لیے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔''

(۲۰) داعیٔ دین کے لیے چار اکرام

(i) تسلّی:

﴿فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۶۰﴾ (الروم)

''پس آپ صبر کریں' بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور (دیکھو) جو لوگ یقین نہیں رکھتے وہ آپ کو ہرگز ہلکا نہ پائیں۔''

(ii) ربط القلب:

﴿اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰي قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ﴿۱۱﴾ (الانفال)

''جب اس نے (تمہاری) تسکین کے لیے اپنی طرف سے تمہیں نیند (کی چادر) اوڑھا دی اور تم پر آسمان سے پانی برسا دیا تاکہ تم کو اس سے (نہلا کر) پاک کر دے اور شیطانی نجاست کو تم سے دور کر دے' اور اس لیے بھی کہ تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور اس سے تمہارے پاؤں جمائے رکھے۔''

(iii) بشارتِ دینوی:

﴿وَاُخْرٰی تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۳﴾﴾ (الصف)

''اور ایک اور چیز جس کو تم بہت چاہتے ہو (یعنی تمہیں) اللہ کی طرف سے مدد (نصیب ہوگی) اور فتح عن قریب ہوگی اور مؤمنوں کو (اس کی) خوش خبری سنا دو۔''

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَلَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَهُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِكُوْنَ بِیْ شَیْـًٔا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۵۵﴾﴾ (النور)

''جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک کا حاکم بنادے گا جیسا ان سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا تھا اور ان کے دین کو جسے اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے مستحکم و پائیدار کرے گا اور خوف کے بعد ان کو امن بخشے گا۔ وہ میری ہی عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں گے۔ اور جو اس کے بعد کفر کرے تو یہی لوگ بدکردار ہیں۔''

(iv) بشارتِ اُخروی:

﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیْلًا ﴿۱۲۲﴾﴾ (النساء)

''اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان کو ہم بہشتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں ابدالآباد ان میں رہیں گے۔ یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے۔ اور اللہ سے زیادہ بات کا سچا کون ہوسکتا ہے!''

(۲۱) چار عظیم لوگ

(i) انبیاء:

﴿اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ مِنْ ذُرِّیَّةِ اٰدَمَ ۗ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۫ وَّمِنْ ذُرِّیَّةِ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْرَآءِیْلَ ۫ وَمِمَّنْ هَدَیْنَا وَاجْتَبَیْنَا ؕ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِیًّا ﴿۵۸﴾﴾ (مریم)

''یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے اپنے پیغمبروں میں سے فضل کیا (یعنی) اولادِ آدم میں

سے اور ان لوگوں میں سے جن کو ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا اور ابراہیم اور یعقوب کی اولاد میں سے اور ان لوگوں میں سے جن کو ہم نے ہدایت دی اور برگزیدہ کیا۔ جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو سجدے میں گر پڑتے اور روتے رہتے تھے۔''

(ii) صِدّیقین:

﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖۤ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ؕ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ﴿۱۹﴾﴾ (الحدید)

''اور جو لوگ اللہ اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لائے یہی اپنے پروردگار کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں۔ ان کے لیے ان (کے اعمال) کا صلہ ہوگا اور ان (کے ایمان) کی روشنی۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی اہل دوزخ ہیں۔''

(iii) شہداء:

﴿اِنْ یَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ ۚ وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَیَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۴۰﴾﴾ (آلِ عمران)

''اگر تمہیں زخم (شکست) لگا ہے تو ان لوگوں کو بھی ایسا زخم لگ چکا ہے۔ اور یہ دن ہیں کہ ہم ان کو لوگوں میں بدلتے رہتے ہیں۔ اور اس سے یہ بھی مقصود تھا کہ اللہ ایمان والوں کو متمیز کردے اور تم میں سے گواہ بنائے۔ اور اللہ بے انصافوں کو پسند نہیں کرتا۔''

(iv) صالحین:

﴿لَیْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآىِٕمَةٌ یَّتْلُوْنَ اٰیٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّیْلِ وَهُمْ یَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓىِٕكَ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۱۴﴾﴾ (آلِ عمران)

''وہ (اہل کتاب) سب برابر نہیں ہیں۔ اہل کتاب میں سے ایک جماعت ہے جو (دین حق پر) قائم ہے وہ اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں رات کی گھڑیوں میں اور وہ سجدہ کرتے ہیں۔ اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے اور اچھے کام کرنے کو کہتے

اور بری باتوں سے منع کرتے اور نیکیوں پر لپکتے ہیں۔ اور یہی لوگ نیکوکار ہیں۔‘‘

(۲۲) خسارے سے بچنے کی چار شرائط

(i) ایمان:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ۝۱۳۶﴾ (النساء)

’’مومنو! اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جو کتاب اس نے اپنے پیغمبر (آخر الزماں ﷺ) پر نازل کی ہے‘ اور جو کتابیں اس سے پہلے نازل کی تھیں‘ سب پر ایمان لاؤ۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے پیغمبروں اور روزِ قیامت سے انکار کرے وہ (سیدھے) راستے سے بھٹک کر دور جا پڑا۔‘‘

(ii) عملِ صالح:

﴿فَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْیِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ۝۹۴﴾ (الانبیاء)

’’پس جو نیک کام کرے گا اور مومن بھی ہوگا تو اس کی کوشش رائیگاں نہ جائے گی۔ اور ہم اس کے لیے (ثوابِ اعمال) لکھ رہے ہیں۔‘‘

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّهٗ حَیٰوةً طَیِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِیَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝۹۷﴾ (النحل)

’’جو شخص نیک اعمال کرے گا مرد ہو یا عورت اور وہ مومن بھی ہوگا تو ہم اس کو (دنیا میں) پاک (اور آرام کی) زندگی سے زندہ رکھیں گے اور (آخرت میں) ان کے اعمال کا نہایت اچھا صلہ دیں گے۔‘‘

(iii) تواصی بالحق:

﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۫ فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَكْفُرْ ۙ اِنَّاۤ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ؕ وَاِنْ یَّسْتَغِیْثُوْا یُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ یَشْوِی الْوُجُوْهَ ؕ بِئْسَ الشَّرَابُ ؕ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ۝۲۹﴾ (الکھف)

’’اور کہہ دو کہ (لوگو) یہ قرآن تمہارے پروردگار کی طرف سے برحق ہے‘ تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کافر رہے۔ ہم نے ظالموں کے لیے دوزخ کی آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قناتیں ان کو گھیر رہی ہوں گی۔ اور اگر فریاد کریں گے تو ایسے کھولتے ہوئے پانی سے ان کی دادرسی کی جائے گی جو پگھلے ہوئے تانبے کی طرح (گرم ہوگا اور جو) مونہوں کو بھون ڈالے گا۔ (ان کے پینے کا) پانی بھی برا اور آرام گاہ بھی بری۔‘‘

(iv) تواصی بالصبر:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۲۰۰﴾ (آلِ عمران)

’’اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! صبر کرو (ڈٹے رہو) اور صبر میں بڑھے رہو (کافروں کے مقابلہ میں) اور (آپس میں) مربوط رہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچتے رہو تا کہ تم فلاح پاؤ۔‘‘

❁❁❁

اے روشنی طبع تو بر من بلا شدی

ڈاکٹر ابصار احمد

تعارف وتبصرہ بر کتاب

اسلام اور جدیدیت کی کشمکش

روایتی اسلامی فکر پر سیکولر اعتراضات کا تحقیقی مطالعہ

کتاب کے مصنّف و مؤلف جناب محمد ظفر اقبال تحسین وستائش اور مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے پونے پانچ سو سے زائد صفحات (صفحہ بڑے سائز کا اور چھوٹا فونٹ استعمال ہوا ہے) پر مشتمل مواد اور پُرمغز دلائل کے ذریعے پروفیسر منظور احمد صاحب☆ کے جدیدیت کے نقطہ نظر پر مبنی آراء اور افکار کا رد کیا ہے۔ اس لیے یہ صرف مؤلف نہیں بلکہ مصنف گردانے جانے چاہئیں۔ زیر تبصرہ کتاب کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ ایک طرف علمیات‘ کونیات‘ اخلاقیات‘ معاشرت ومعیشت اور جملہ فلسفیانہ مباحث پر قرآنی اور حدیثی مسلّمہ روایتی موقف انتہائی وضاحت اور بصیرت وایمان افروز انداز میں پیش کیا گیا ہے اور دوسری طرف جدیدیت کے زیر اثر ترتیب پانے والی آراء پر چشم کشا نقد وتبصرہ ہے اور پیرایہ بیان اتنا عمدہ ہے کہ طبیعت ذرا بھی بوجھل نہیں ہوتی‘ بلکہ قاری کا دل چاہتا ہے کہ پڑھتا ہی چلا جائے۔ ہر صفحے پر فٹ نوٹس اور کتابوں کے مفصل حوالے مصنف کے وسعت مطالعہ‘ علمیت اور فکری صلابت پر شاہد ہیں۔ ان میں سے کئی نکات اور کتابیات کی معلومات میرے لیے بھی نئی ہیں۔

☆ پروفیسر ڈاکٹر منظور احمد شعبہ فلسفہ کراچی یونیورسٹی میں صدر شعبہ اور فیکلٹی ڈین تھے۔ بعد ازاں وائس چانسلر ہمدرد یونیورسٹی‘ ریکٹر اسلامک انٹرنیشنل یونیورسٹی اسلام آباد اور ممبر اسلامی نظریاتی کونسل رہے۔ گزشتہ پندرہ سالوں سے کراچی میں عثمان انسٹیٹیوٹ کے ڈائریکٹر ہیں۔ آپ نے ٹیلی ویژن پر علمی موضوعات کے مذاکروں میں کئی برس شرکت کی۔ اور دانشور کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ اب خرابی صحت اور پیرانہ سالی کے باعث زیادہ فعال نہیں ہیں۔

جدیدیت کا سنڈروم گزشتہ چھ سات دہائیوں کے دوران عالمی سطح پر اسلام کے حوالے سے متعدد شناختی عنوانات (Labels/adjectives) کے ساتھ استعمال ہوا ہے‘ مثلاً لبرل اسلام‘ موڈریٹ اسلام‘ روشن خیال (enlightened) اسلام‘ ریفارمسٹ اسلام‘ پولیٹکل اسلام وغیرہ۔ ضیاء الدین سردار پچھلے آٹھ دس برسوں سے اپنے آپ کو اور اپنے ہم خیال حلقے کو کریٹیکل اسلام (The Critical Muslim) کا لیبل اور اسلام کا وہ version پیش کر رہے ہیں کہ بقول شاعر ع ”کہ پہچانی ہوئی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی“۔ سردار فکری طور پر تحولِ عظیم سے گزر کر اب وہ نہیں رہے جو وہ Afkar/Enquiry کے زمانے میں تھے۔ کریٹیکل مسلم کی حیثیت سے بغیر ضروری تیاری کے بزعم خویش مفسر قرآن‘ شارح شریعت اور مجتہد سبھی کچھ ہیں اور الٹرا جدیدیت کی راہ پر بگٹٹ رواں دواں ہیں۔ اڑھائی تین ماہ قبل انہیں اکتیس سال بعد (پہلی ملاقات شکاگو کے ہالیڈے اِن میں ایک ڈنر کے موقع پر 1984ء میں ہوئی تھی) جب لاہور لٹریچر فیسٹیول میں ڈاکٹر ہود بھائی کے ساتھ مکالمہ کرتے دیکھا‘ تو بہت قلق اور حیرت ومایوسی اس اعتبار سے ہوئی کہ عالمی شہرت کے مسلم دانشور ڈریس اور صحت کے اعتبار سے ناگفتہ بہ حالت میں تھے۔ اس کا عقدہ ان کے پرانے ساتھی ڈاکٹر منور انیس نے کھولا جو میں یہاں بیان نہیں کر سکتا۔

کراچی میں بی اے اور ایم اے کی تعلیم اور بعد ازاں ملازمت کے دوران ڈاکٹر منظور صاحب کا تعلق اسلامی جمعیت طلبہ اور جماعت کی مرکزی ٹیم سے رہا ہے۔ ان کے احباب میں پروفیسر خورشید احمد صاحب‘ ڈاکٹر ظفر اسحٰق انصاری‘ مرحوم خرم مراد‘ برادر مکرم اسرار احمد مرحوم‘ قاضی عبدالقادر صاحب‘ ڈاکٹر انیس احمد اور دوسرے اہم اور تحریکی طور پر فعال لوگ رہے ہیں۔ منظور صاحب کا ذاتی طور پر میں احسان مند ہوں کہ جب میں نے اسرار بھائی کی خواہش پر منٹگمری (حال ساہیوال) سے migration کر کے 1963ء میں شعبہ فلسفہ کراچی یونیورسٹی میں داخلے کا ارادہ کیا تو منظور صاحب نے مجھے شعبے کے اساتذہ سے متعارف کروایا‘ جن میں خاص طور پر صدر شعبہ ڈاکٹر محمد محمود احمد‘ انصاری صاحب‘ انیس صاحب اور اکرام علی صاحب تھے۔ وہ خود چند دن بعد لندن ڈاکٹریٹ کے لیے روانہ ہو گئے۔ اس لیے مجھے کبھی ان کا باقاعدہ سٹوڈنٹ ہونے کا شرف حاصل نہ ہو سکا۔ چونکہ میں نے پنجاب یونیورسٹی سے BA کے پہلے سال کا امتحان فرسٹ ڈویژن اور فلسفے کے مضمون کے ساتھ کیا ہوا تھا‘ اس لیے میں نے آنرز دو سال میں (یعنی 1965ء میں) اور اگلے سال ایم اے کر لیا۔ آرٹس فیکلٹی میں ایم اے میں پہلی

پوزیشن لینے پر مجھے حکومت پاکستان کی طرف سے میرٹ سکالرشپ ملا جو میں نے گورنمنٹ کالج لاہور میں ایم اے سائیکالوجی کا ایک سال پڑھنے کے بعد avail کیا۔ کراچی سے اکتوبر 1967ء میں لندن روانہ ہوتے ہوئے بڑے بھائی مرحوم اقتدار احمد صاحب نے عزیز و اقارب اور احباب کے لیے ہوٹل فاروق میں الوداعیہ کا اہتمام کیا۔ اس تقریب میں بھی ڈاکٹر منظور احمد‘ جو ایک سال قبل ڈاکٹریٹ مکمل کر کے کراچی یونیورسٹی واپس آ چکے تھے‘ میری درخواست پر تشریف لائے۔ اور مجھے تعلیمی ہدایات کے علاوہ ہیتھرو ایئرپورٹ سے سنٹرل لندن پہنچنے اور پھر ہائی کمیشن سے سکالرشپ کی رقم کے حصول‘ اور پاکستان سٹوڈنٹس ہاسٹل کے ایڈریس کے بارے میں بہت مفید tips دیئے جو میرے بہت کام آئے۔

لندن روانگی سے قبل منظور صاحب باریش تھے‘ لیکن تین سال بعد ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے ساتھ واپسی پر چہرہ اس سنت سے ’’صاف‘‘ تھا۔ آنکھوں کی تیزی‘ چال ڈھال اور اندازِ گفتگو بھی کچھ بدلا ہوا تھا۔ بربیک کالج لندن میں پروفیسر ہیملن (Prof Hamlyn) کی نگرانی میں کام کیا اور Concept of Sense Data پر تحقیقی مقالہ لکھا۔ بادیٔ النظر میں معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے گہرائی میں اتر کر کسی substantive ایشو پر تحقیقی کام نہیں کیا۔ گمان غالب یہ ہے کہ زیادہ وقت Bloomsbury Group کے مماثل لوگوں کے ساتھ میل جول رہا۔

سونے پر سہاگہ یہ ہوا کہ آپ کی رہائش ہمپسٹڈ ہیتھ جیسے علاقے میں رہی جہاں میرے خیال میں کوئی مسجد بھی اس وقت نہیں تھی اور آبادی بالعموم کلچرل ایلیٹ پر مشتمل تھی۔ پروفیسر ہیملن ہی کے تحت بعد ازاں پروفیسر اکرام علی صاحب نے Problem of Time پر ریسرچ کی اور (بقول ان کے) انہوں نے ہیملن کو تاریخ فلسفہ سے بالکل نابلد پایا۔ گویا شاگرد نے استاد کو پڑھایا۔ انگلستان میں اس وقت زیادہ تر اساتذہ فلسفہ لسانی تحلیلی فلسفے کے منہاج میں دلچسپی لیتے تھے اور modernity کے اصول وضوابط‘ ذہنی افق اور انسان‘ مرکزی منہاج علم ذہنی افق پر چھائے ہوئے تھے۔ جدیدیت پر مبنی ڈاکٹر منظور احمد صاحب کا mind-set اسی دور کی legacy معلوم ہوتا ہے جسے انہوں نے دین حق کی تفہیم میں بھی استعمال کر کے زبردست ٹھوکریں کھائیں‘ جو کتاب ہٰذا کے مصنف محمد ظفر اقبال صاحب نے بالتفصیل واضح کی ہیں۔ میں یہاں کتاب کے صفحات ۱۰ تا ۱۳ سے چند اقتباسات من وعن نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں‘ جن میں ان کی فلسفیانہ اپچ اور فکری تضادات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ان سطور میں ’’نیاز روشن خیالی‘ اجتہاد اور اسلام‘‘ (مشمولہ سہ ماہی المعارف اکتوبر۔ دسمبر 2005ء)، ’’اقبال کا فلسفہ مذہب‘‘ مشمولہ اقبال

شناسی‘ ’’مذہب کی صداقت‘‘ مشمولہ ’’اسلام۔ چند فکری مسائل‘‘ اور ’’روایت‘ جدیدیت اور لسانیات‘‘ مشمولہ ماہنامہ صریر پر بالخصوص ناقدانہ نظر ڈالی گئی ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی تحریروں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بالعموم خاص مذہبی عربی اصطلاحات کا انگریزی ترجمہ کر کے اس کا مفہوم متعین فرما لیتے ہیں‘ اور پھر اس پر اپنے خیالات وافکار کی عمارت تعمیر کر لیتے ہیں۔ حالانکہ استعمال کی گئی صرف اصطلاح اسلامی ہوتی ہے اور اس کا مفہوم منظور احمد کا خود معین کردہ ہوتا ہے‘ جو بالعموم اسلام کی چودہ سو سالہ علمی و مابعد الطبیعی روایت کے منافی ہوتا ہے۔ اسلام چند فکری مسائل میں ’’اجتہاد‘‘ اور ’’مقاصد الشریعہ‘‘ کے حوالے سے کی گئی گفتگو یہی ثابت کرتی ہے............

متعلقہ موضوعات پر عربی میں تصنیف شدہ کتابوں کے مطالعے سے محرومی‘ دین کے اساسی وقانونی اور مابعد الطبیعی حقائق ومسائل کو مغربی فکر وفلسفے کی روشنی میں پڑھنے اور ان سے حاصل ہونے والے نتائج کو ’’نتیجہ خیز‘‘ سمجھنے‘ اور عاجلانہ نتائج نے ڈاکٹر منظور احمد صاحب کے مطبوعہ مضامین ومقالات میں عجیب قسم کا ابہام وتضاد پیدا کر دیا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بہت سے وہ مسائل جن پر ڈاکٹر صاحب نے قلم اٹھایا ہے اس پر ان کا اپنا ذہن صاف اور واضح نہیں ہے اور وہ صورت مسئلہ کے درست فہم سے قاصر رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی‘ بادیٔ النظر میں‘ دلکش پیرائے میں لکھی گئی تحریریں‘ بجائے تشکیک اور شبہات کم کرنے کے اسے اور بڑھا دیتی ہیں۔ ان کی تحریروں میں جدید مسائل کے حل کی فکری رہنمائی تو دور کی بات ہے‘ بعض اوقات خود دین ومذہب ہی واہمہ محسوس ہونے لگتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انتہائی نازک‘ حساس‘ علمی اور فکری مبحث میں بغیر تیاری کے ہاتھ ڈال دیا گیا ہے۔ تضادات کی فہرست تو طویل ہے‘ لیکن چند ایک مقامات بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں:

(۱) کہیں ڈاکٹر منظور احمد پورے انسان کو محض عقلیت (Rationality) میں محبوس ومحصور فرما دیتے ہیں کہ مذہبی عقائد وحقائق طبیعیات سے لے کر مابعد الطبیعیات تک ہر جگہ شے کے ردّ وقبول کی کسوٹی عقل ہے۔ اور کہیں ارشاد فرماتے ہیں:

> ’’انسانی زندگی کا صرف روح یا صرف عقل‘ یا صرف مادے میں احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ زندگی روحی (احساسات‘ الم‘ مسرت‘ دکھ‘ ہم گزاری‘ درد احساسی یا دوسرے لفظوں میں دل کی دنیا) اور عقلی دونوں کا مجموعہ ہوتی ہے۔‘‘

(۲) ڈاکٹر منظور احمد کہیں مابعد الطبیعی حقائق کو ’’اختیاری تجربے‘‘ سے تعبیر فرماتے ہیں۔ اور

کہیں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''مذہبی تجربہ از قبیل اختبار و احساس نہیں ہے۔''

(۳) ایک جگہ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

''مذہب کے بنیادی حقائق مثلاً خدا' آخرت' نبوت سائنس کے دائرہ کار سے باہر کی چیز ہے اور سائنس خود اپنی شہادت کے زور پر ان کے بارے میں حکم نہیں لگا سکتی۔''

جب سائنس اور مذہب دو الگ الگ منہاج ہیں اور مابعد الطبیعی حقائق اس کا موضوع نہیں تو ڈاکٹر صاحب اہلِ اسلام کو یہ مشورہ کیوں دے رہے ہیں کہ:

''موجودہ زمانے میں بھی عقلیت یا سائنسی تحقیقات کی روشنی میں وحی کی مختلف تاویلات ہوسکتی ہیں۔''

(۴) احکام شرعیہ کی ابدیت و آفاقیت پر حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کے حوالے سے منظور احمد صاحب کے بیانات و اقتباسات انتہائی متضاد ہیں۔ ایک مقام پر شاہ صاحب کے حوالے سے شرائع کی تبدیلی پر اصرار فرما رہے ہیں۔

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ

''شاہ صاحب اسلامی شریعت کے باب میں خاموش ہیں۔''

ان تضادات کی اصل وجہ مذہب اور مابعد الطبیعیاتی حقائق کو فلسفے کی روشنی میں پڑھنا ہے۔

فلسفے کی مجبوری یہ ہے کہ وہ ہر شے کو سوالات کی تلوار پر رکھ لیتا ہے' لیکن اس کا مؤثر اور قطعی جواب فراہم نہیں کرتا۔ شک کا دروازہ کھول دیتا ہے مگر اسے بند نہیں کرتا۔ فلسفہ کھلے ذہن کا ثمر ہے' یعنی فلسفی ایک ایسا آدمی ہے جس کا منہ ہمیشہ کھلا رہے۔ سوالات کرنا اور اعتراض اٹھانا ہی اس کا کام اور اس کی پہچان ہے۔

Philosophy questions everything and settles nothing, some reassurance may be found in the words of the late English journalist-critic G.K. Chesterton, who remarked, "Merely having an open mind is nothing. The object of opening the mind, as of opening the mouth, is to shut it on something solid.

ڈاکٹر منظور احمد صاحب خالص عقائدی اور دین و قانون کی اساس پر استوار مسائل کو عقلی مابعد الطبیعیات اور فلسفیانہ (یعنی شک کے) نقطہ نظر سے دیکھنے کے عادی ہیں' یہی بات وہ تصوف کے بارے میں بھی لکھتے ہیں کہ:

''میرا علم ان مضامین (یعنی تصوف وغیرہ) کے بارے میں فلسفے کے حوالے سے ہے اور ان مسائل کو میں اسی نقطہ نظر سے دیکھتا ہوں جس کو فلسفیانہ طریق کار کی روشنی میں صحیح سمجھتا ہوں۔''

درحقیقت ڈاکٹر منظور احمد دین کے ہر عقائدی' احکامی و قانونی مسئلے بلکہ نفس دین تک کو' اس کے اپنے طریق تفہیم کی بجائے' فلسفیانہ جہت سے دیکھنے کے عادی ہیں۔ وہ خود یہ لکھ چکے ہیں:

''روایت اور جدیدیت کے درمیان کوئی بامعنی مکالمہ ممکن نہیں' اس کا امکان صرف ایک تیسرے نقطہ نظر سے ہوسکتا ہے جو ان دونوں مفاہیم کو ایک معروض کی حیثیت سے دیکھ سکے اور پھر دونوں کا کچھ نہ کچھ ادراک حاصل کر سکے۔ دوسرے الفاظ میں ان دونوں کی تفہیم کے لیے ایک تیسری کلامی منطق کی ضرورت ہوگی۔ اس کا بھی امکان ہے کہ کوئی جدیدیت کے پیراڈائم سے روایت کے پیراڈائم میں منتقل ہو جائے یا روایت سے جدیدیت میں' اس طرح وہ پہلے پیراڈائم کو ماضی کی ایک غلطی سمجھ کر یاد رکھے۔ ان طریقوں کے علاوہ میری نظر میں کوئی اور طریقہ روایت اور جدیدیت کے مابین نزاع کی تفہیم کا ممکن نہیں۔''

جب ڈاکٹر منظور احمد صاحب کو خود اس بات کا اعتراف و ادراک ہے کہ روایت و جدیدیت کی اپنی اپنی کلامی منطق [جو اپنے طریق تفہیم اور نظام ہائے تصورات میں ایک دوسرے سے کلیتاً متخالف و متغائر ہیں] سے بلند ہو کر ایک تیسری کلامی منطق کی دریافت کے بغیر دونوں نظاموں کے مابین نزاع کو ختم نہیں کیا جاسکتا' تو اس صورت میں جبکہ وہ علوم اسلامی پر سند یافتہ نہیں ہیں اور خود کو مغربی فلسفے کا پرداختہ اور مرہونِ کرم گردانتے ہیں —— وہ خود ہی غور فرمائیں کہ انہیں یہ استحقاق کیسے حاصل ہو گیا کہ روایت اور جدیدیت کے درمیان حَکَم اور ثالث بن کر فیصلے صادر کرنے لگیں؟ خصوصاً جبکہ وہ ''علم تفسیر'' کے نتیجہ خیز معیارات کو مغربی فکر سے مستعار قرار دیتے ہوں اور تصوف اور اس کی مابعد الطبیعیات جیسے روایتی مضامین کو فلسفیانہ طریق کار کی روشنی میں درست یا غلط سمجھنے کے عادی ہوں۔

دوسرے یہ کہ ڈاکٹر منظور احمد صاحب کے فلسفیانہ افکار و خیالات کے مطالعے سے خلّاق بصیرت اور تخلیقی ذہانت کا اظہار نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر صاحب پہلے سے موجود افکار و نظریات کے محض ناقل اور ترجمان نظر آتے ہیں۔ مزید ستم یہ کہ اس ماخوذ و مستعار فکر کی ترجمانی میں بھی وہ فکری صلاحیت اور ذہنی مہارت عنقا نظر آتی ہے' جو ہم جیسے طالب العلم ڈاکٹر صاحب کے مرتبے کا ناگزیر تقاضا سمجھتے ہیں۔ اگر دقت نظر سے ڈاکٹر صاحب کے فلسفیانہ تسامحات ہی کو جمع

کیا جائے تو ایک بسیط مقالہ تیار ہو سکتا ہے۔

صفحاتِ ماقبل میں دی گئی سطور سے قارئین کو بالوضاحت معلوم ہو جاتا ہے کہ پونے پانچ سو سے زائد صفحات کی پوری کتاب میں ڈاکٹر منظور صاحب کے اسلام‘ شریعت محمدیہ‘ مقاصد شریعت اور پاکستان کے بارے میں وہ خیالات وافکار جو انہوں نے جدیدیت اور سیکولرازم سے متاثر ہو کر تحریر کیے ہیں‘ کا ناقدانہ جائزہ لیا گیا ہے۔ مذہب‘ فلسفہ مذہب اور پاکستان اور نظریہ پاکستان کے سلسلے میں ان کے خیالات کتابوں یا جریدوں کے علاوہ اخبارات میں بھی شائع ہوئے جن کا نوٹس بعض دوسرے اصحابِ فکر کے علاوہ برادر محترم ڈاکٹر اسرار احمد ؒ نے بھی لیا اور یہ قسط وار ایک موقر اخبار میں چھپے۔ چنانچہ باوجود اختلاف کے‘ ڈاکٹر منظور صاحب اور اسرار بھائی میں پرانے تعلق کے بنا پر میل ملاقات رہتی تھی اور تبادلہ خیالات بھی ہوتا تھا۔ میرے سامنے اس وقت ڈاکٹر منظور صاحب کا 13/اگست 2002ء کا لیٹر ہیڈ پر محررہ خط ہے جو ڈاکٹر اسرار صاحب اور مجھے ارسال کیا گیا تھا۔ ان کے ہاں ماہانہ فکری نشست ہوتی تھی (نہ معلوم اس کی کیفیت اب کیا ہے)۔ اس دعوت نامے میں ان کے ڈان کے 23 جولائی (2002) میں شائع ہونے والے مضمون A Closed mind کی عکسی نقل لف تھی۔ اور ساتھ ہی ڈان ہی میں شائع ہونے والے ایک تائیدی خط کی نقل بھی۔ یہ مختصر خط پروفیسر زبیر بن عمر کا تھا۔ اتوار 25/اگست کو اس موضوع پر تبادلہ خیال کے لیے گھر پر نشست کا اہتمام کیا گیا تھا۔ دو ایک مرتبہ اسرار بھائی کے خیالات جاننے اور ان پر نقد وتبصرہ کے لیے انہیں پوری نشست کے لیے مقرر کے طور پر بھی مدعو کیا گیا۔ مجھے معلوم نہیں ہو سکا کہ کئی سال ماہانہ ہونے والی ان علمی محافل کے حاصلات کیا رہے‘ اور کیا زبیر بن عمر صاحب نے ان کی تدوین اور انضباط کے بعد ان کو تحریری شکل دے کر شائع کیا یا نہیں۔ اور کیا ان میں کبھی محترم خالد جامعی صاحب‘ ڈاکٹر عبدالوہاب سوری‘ ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری اور مصنف کتاب ہذا کی شرکت اور ڈاکٹر منظور سے تبادلہ خیال اور مکالمے کی صورت ہوئی؟

محولہ بالا ڈان میں شائع ہونے والے مضمون کا عنوان بھی بتا رہا ہے کہ ڈاکٹر صاحب ایک راسخ العقیدہ مسلمان کو بالکل dogmatic اور بند ذہن‘ سمجھتے ہیں جس میں ’’روشنی‘‘ کا گزر قطعاً نہیں ہے‘ اس کے عقائد اندھے‘ بہرے‘ غیر منطقی اور ہر قسم کی عقلیت سے بے بہرہ ہیں۔ فلسفے سے واقف قارئین کے ذہن میں کارل پوپر کی کتاب کا ٹائٹل آ جانا چاہیے "The Open Society and its Enemies"۔ مشمولہ کے اعتبار سے دونوں میں

مماثلت بھی ظاہر و باہر ہے۔ زیادہ تفصیل کا یہ تبصرہ متحمل نہیں ہو سکتا۔ مختصراً منظور صاحب اسلام کی متواتر روایتی تفہیم کو ’’فقہی اسلام‘‘ سے تعبیر فرماتے ہیں‘ جسے ان کے خیال میں اصول نہیں بنانا چاہیے‘ لکھتے ہیں:

’’زندگی کے منجملہ معاملات کو نبٹانے کے لیے قدماء کی آراء اور فیصلے مدد و معاون تو ثابت ہو سکتے ہیں‘ لیکن ان کو حتمی اصول بنا کر ان سے استخراج کو ایک ناقابلِ تردید حقیقت سمجھنا ممکن نہیں‘‘۔ (مشمولہ سہ ماہی المعارف ’’نیاز‘ روشن خیالی......)

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

’’وہ فکری بنیاد جس پر معاشی ترقی‘ تصوراتی ارتقاء اور تکنیکی ترقی ممکن ہے...... یہ ہے کہ قرآن کریم اور سنت کے روایتی خوشہ چینی طریق کار کو چھوڑ کر اس پر نئے سرے سے نظر ڈالی جائے‘‘۔ (عصر حاضر میں اسلام کی تفہیم‘ مشمولہ اسلام‘ چند فکری مسائل‘ ص ۶۸)

فقہاء اور قدماء کی منصوص و متفقہ آراء کے برعکس ان سطور سے ڈاکٹر منظور احمد صاحب قرآن وسنت ہی کو حتمی اصول مان کر اس سے استخراج کو واضح طور پر اسلامی شریعت کے منافی رویہ سمجھتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا انہوں نے نیاز فتح پوری جیسے پراگندہ اور باطل خیال شخص کو جدید اسلام کا ’’روشن خیال ذہن‘‘ اور چہرہ قرار دے کر دین متین کی کوئی مثبت خدمت سرانجام دی ہے یا بہت سے ژولیدہ فکر کے حامل دانشوروں کی آواز میں آواز ملائی ہے‘ جن کی فہرست اگرچہ طویل ہے لیکن ان میں چند نمایاں ہیں‘ مثلاً پروفیسر محمد ارکون‘ ڈاکٹر طارق رمضان‘ راشد شاذ‘ ضیاء الدین سردار وغیرہ۔

محمد ظفر اقبال صاحب نے ۱۹ صفحات پر پھیلی ہوئی مشمولات کی تفصیل دی ہے۔ ان صفحات کو شمار نہیں کیا گیا۔ اس طویل فہرست مضامین سے قاری اندازہ لگا سکتا ہے کہ مصنف نے کس عرق ریزی اور باریک بینی سے یہ پوری کتاب ترتیب دی ہے۔ بیسیوں جگہ پر ڈاکٹر منظور احمد صاحب کی انتہائی اتھلی اور بے مغز نکات کی نشاندہی کی ہے۔ میرے خیال میں ڈاکٹر منظور بالعموم شک وارتیاب اور uncertainty کو منہاجیات اور فلسفے میں بنیادی اہمیت دیتے ہوئے برٹرینڈ رسل کے لبرل ازم کے اصول عشرہ (A liberal decalogue) کے قائل نظر آتے ہیں۔ راقم نے زیر تبصرہ کتاب کو بالاستیعاب پڑھا ہے اور اسے علوم دینیہ‘ فلسفہ اور سوشل سائنسز ہر تین شعبوں کے طالب علموں اور اساتذہ کے لیے انتہائی مفید اور خیال افروز پایا ہے۔ اس کتاب کے مطالعے کے دوران ایک خیال مسلسل آتا رہا کہ شاید ڈاکٹر صاحب کے

کبھی گمان میں بھی نہ آیا ہو کہ ان کے افکار پر اس قدر گہری اور مدلّل انتقادی نظر ڈالی جائے گی اور ان کا سارا استدلال انتہائی بودا اور سطحی ثابت کر دیا جائے گا۔ اور اب صورت حال یہ ہے کہ پروفیسر زبیر بن عمر جو ایک عشرے تک ان کے علمی و انتظامی مددگار سے زیادہ ’نفس ناطقہ‘ کے طور پر کام کرتے رہے’ پاکستان سے باہر ہیں’ اور اغلباً دوسری مصروفیات میں گھرے ہوئے ہیں’ چنانچہ دفاعی جواب کا وقت ان کے پاس نہ ہوگا۔ مصنف نے بجا طور پر لکھا ہے کہ کتاب کو ڈاکٹر منظور احمد کے انفرادی افکار و خیالات پر بحث و نظر سے متعلق سمجھ کر نہ پڑھا جائے بلکہ اسے پورے متجددانہ فکر و نظر اور جدیدیت گزیدہ ذہن کے اشکالات’ شبہات اور اعتراضات کی نمائندہ تحریریں سمجھ کر پڑھا جائے’ جس کا خلاصہ فلسفیانہ انداز میں ان سے بہتر کوئی اور مفکر پیش نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ اس اعتبار سے کتاب ہذا کی اہمیت و افادیت بہت زیادہ ہے اور یہ دین و مذہب سے علمی اور دعوتی طور پر وابستہ ہر شخص کے مطالعے میں آنی چاہیے۔

اس تعارفی اور تبصراتی تحریر کا اختتام اپنے چند تاثرات کے مختصر بیان پر کروں گا۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ پاکستانی جامعات اور دانش گاہوں کے عقلاء اور پروفیسر حضرات اسلام سے معمولی سا جذباتی تعلق تو رکھتے ہیں’ لیکن بالعموم قرآن و سنت اور دینی علمی و عرفانی روایات کا علم نہیں رکھتے اور اسلاف کی شاندار اور انتہائی بصیرت افروز تحریروں سے بالکل ناواقف ہیں۔ جبکہ مغربی دنیا میں ہمیں کئی ایسے فلسفی اور مفکّر ملتے ہیں جو اپنی دو اڑھائی ہزار سالہ تہذیبی تاریخ اور اس کی علمی روایات کا گہرا شعور رکھتے ہیں اور اپنی فکری کاوشوں میں ان کا حوالہ دینے میں کوئی عار نہیں سمجھتے۔ بلکہ ان حوالوں سے وہ اپنے خیالات کو زیادہ مثبت انداز میں پیش کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں الیسڈ یئر میکنٹائر اور چارلس ٹیلر اور بعض دوسرے دانشور سرفہرست ہیں۔ ان جیسی جامعیت’ علمی بصیرت اور گہرا تاریخی شعور رکھنے والے اساتذہ اور لکھنے والے ہمارے ہاں سوائے چند کے عنقا ہیں۔

راقم کو زیر نظر مفصل کتاب کے مندرجات اور سہ ماہی ’جی‘ کے گزشتہ شمارے میں مدیر جناب محمد دین جوہر کی بعض تحریروں بالخصوص ”دین حق کی جدید تعبیرات“ میں گہرا توارد نظر آتا ہے’ جو اگرچہ بہت مختصر ہے لیکن گہرائی اور معنویت کے اعتبار سے خاصے کی چیز ہے۔ ڈاکٹر منظور صاحب کے حوالے سے بدقسمتی کا معاملہ ایک یہ بھی ہوا کہ وہ کراچی یونیورسٹی میں لندن جانے سے پہلے ذہین شاہ تاجی سے تو متعارف کرائے گئے لیکن شاید مولانا محمد ایوب دہلویؒ کی انتہائی غامض دینی اور منطقی گفتگوؤں سے استفادہ نہ کر سکے۔ جدیدیت اور سیکولر فکر کے زیر اثر پروفیسر منظور صاحب’ غامدی صاحب’ جناب خورشید ندیم اور دوسرے ہم خیال اصحاب دانش کے بارے میں

جوہر صاحب نے کیا خوب لکھا ہے ”جو دینی فکر اب تداول کا درجہ اختیار کر چکی ہے اس کا مسئلہ یہی ہے کہ ایک دن ’فکر‘ کا جھنجھنا ہاتھ میں رہ جاتا ہے اور دین رخصت ہو جاتا ہے“۔ وہ بالکل بجا طور پر عصر حاضر میں دینی فکر کو آشفتگی کا شکار خیال کرتے ہیں اور ایک مضبوط فکری حصار کو دین کے لیے ازبس ضروری قرار دیتے ہیں۔ تاہم میں بصد ادب گزارش کرنا چاہوں گا کہ مضبوط فکری حصار کہیں خلا میں معرض وجود میں نہیں آتا’ بلکہ دین سے کمٹمنٹ رکھنے والے ہم خیال اور عملی طور پر پروایکٹو اصحاب کی جمعیت کا متقاضی ہے۔ جوہر صاحب کا یہ جملہ ”دین میں حضور ﷺ کی مرکزیت کو مشتبہ بنائے بغیر جدید دینی تعبیر کے کام کا آغاز بھی نہیں ہو سکتا“، جدیدیت کے اسیر حضرات کی سو فیصد صحیح نبّاضی کرتا ہے۔ لیکن اس کا علاج صرف ’ارزانی سخن‘ سے ممکن نہیں بلکہ خواص اور عوام دونوں کی سطح پر سنت رسول ﷺ کی شرعی حجیت’ عمل میں انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر اس کو اپنانے اور رسالت کے مشن کی عالمی لیول پر تکمیل کے لیے جدوجہد میں ہے۔

کتاب کے سب ٹائٹل میں ”روایتی اسلامی فکر“ کے الفاظ بہت اہم ہیں۔ جدیدیت اور سیکولر فکر کا اسلام کے روایتی فکر سے جو قرآن و سنت اور قرنِ اوّل کے اصحاب علم و تقویٰ کے اقوال و اعمال کا تسلسل ہے’ جوہری فرق ہے۔ ’روایت‘ (tradition) کا لفظ ایک دوسرے محدود معنوں میں بھی استعمال کیا گیا ہے’ جو شوآن’ حسین نصر اور دوسرے متصوفین کی نگارشات میں ملتا ہے۔ یہ حضرات صرف فرد کی ذاتی اصلاح اور روحانی بالیدگی پر اپنا فکر مرکوز رکھتے ہیں’ اور اس طرح مابعد جدیدیت کی مذہب کی وہ تعریف قبول کر لیتے ہیں جس میں مذہب کو فرد کے باطنی اطمینان اور آسودگی تک محدود کر کے اسلام کے اجتماعی نظم اور ہیئت سیاسی سے قطعاً اعتناء نہیں کیا جاتا’ چنانچہ عالمی سیاسی و تہذیبی سطح پر یہ لوگ اسلام کو ایک بالکل غیر مؤثر اور انتہائی محدود تناظر کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب میں مصنف نے اسلام کو بحیثیت دین جو فرد اور اجتماع (polity) دونوں کو راہنمائی و ہدایت دیتا ہے’ اپنی کلیت میں پیش کیا ہے اور روایت کو ٹھیٹھ فقہی معنی میں لیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ محمد ظفر اقبال’ محمد دین جوہر’ محترم احمد جاوید’ جناب حامد کمال الدین’ خالد جامعی صاحب’ ڈاکٹر حافظ محمد زبیر جیسے سکالرز کے رشحاتِ قلم کو دیکھ کر یہ یقین بڑھ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود اپنے دین کی حفاظت و صیانت فرماتا ہے’ اور شیطانی و دجالی فتنے کامیاب نہ ہو سکیں گے۔

کتاب ادارہ علم و دانش کی اشاعت ہے۔ کراچی اردو بازار کے فضلی سنز’ اور لاہور میں اردو بازار (غزنی اسٹریٹ) کے دارالکتاب اور کتاب سرائے سے مل سکتی ہے۔ قیمت درج نہیں ہے۔

رمضان کی راتوں میں نیکی کی مارکیٹنگ

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر☆

جیسے ہی رمضان المبارک کا آخری عشرہ داخل ہوتا ہے تو بعض دینی حلقوں اور سوشل میڈیا پر یہ بحث تقریباً ہر سال سامنے آتی ہے کہ رمضان میں وتر کی نماز میں لمبی لمبی اجتماعی دعاؤں کا کیا جواز ہے؟ خاص طور ان لوگوں کے ہاں کہ جو فرض نمازوں کے بعد اجتماعی دعا کو بدعت قرار دیتے ہیں۔

سوال اگرچہ مشکل ہے، لیکن بہر حال اب ہمارے علماء کو اس بارے میں کسی واضح موقف کا اظہار کر دینا چاہیے۔ ایک عالم دین دوست رشید ارشد صاحب سے اس بات پر گفتگو ہوئی ہے کہ اہلِ حدیث مساجد میں یہ جو وتر میں اجتماعی دعا کی رسم چل پڑی ہے اور اس کا اکثر مساجد میں اہتمام ہوتا ہے، قُرّاء حضرات ائمہ حرمین کی رٹی رٹائی دعائیں خشوع وخضوع بھرے لہجات میں دہراتے ہیں اور لوگ اس مقصد کے لیے اہل حدیث مساجد کا شدرحال یعنی اہتمام سے سفر کرتے ہیں کہ وتر کی اجتماعی دعا میں شریک ہوا جائے، تو اس سب کچھ کی شرعی دلیل کیا ہے؟

میں نے یہ عرض کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ سے اتنا تو ثابت ہے کہ آپ نے وتر جماعت کے ساتھ پڑھائے، لہٰذا وتر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے پڑھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ وتر میں جو لمبی لمبی دعائیں کی جاتی ہیں، ان کے جواز کی کیا دلیل ہے؟ میں نے کہا کہ قنوتِ نازلہ کی روایات سے استدلال کیا جاتا ہے۔

انہوں نے کہا کہ قنوتِ نازلہ کے علاوہ جو وتر میں دعائیں کی جاتی ہیں، اور وہ دعائیں بھی غیر مسنون اس معنی میں ہیں کہ الفاظ نبی کریم ﷺ کے نہیں ہیں، بلکہ ائمہ حرمین یا بلادِ عرب کی مساجد کے ائمہ کے ہیں، تو اس کا کیا جواز ہے؟

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، کامساٹس انسٹی ٹیوٹ آف انفارمیشن ٹیکنالوجی، لاہور۔
ای میل: mzubair@ciitlahore.edu.pk

میں نے کہا: یہ بات درست ہے کہ قنوتِ نازلہ کے الفاظ متعین ہیں اور آپ ﷺ نے نماز وتر میں ویسی یا اتنی لمبی دعائیں نہیں کیں جیسا کہ اہل حدیث مساجد میں کیا جاتا ہے۔

انہوں نے کہا: کیا آپ اسے ایک نیا رجحان (trend) کہہ سکتے ہیں اور اس کی ابتدا کہاں سے ہوئی؟ میں نے کہا: اسے بالکل ایک نیا رجحان کہا جا سکتا ہے اور اس کی ابتدا حرمین شریفین سے ہوئی۔ ہمارے ہاں اہل حدیث اس بارے ائمہ حرمین کی اتباع کرتے ہیں۔

انہوں نے کہا کہ یہ عمل اخلاص کے منافی نہیں ہے؟ میں نے کہا کہ اس خدشے کا اظہار اب خود اہل حدیث میں سے بھی بہت سے لوگ کرنا شروع ہو گئے ہیں کہ اس طرح کی اجتماعی دعاؤں میں رونے اور رلانے کے مناظر میں بعض اوقات واضح تکلف اور تصنع نظر آتا ہے۔

اس گفتگو کے بعد میں یہ سوچ رہا تھا کہ ہم کسی کی نیت یا اخلاص پر شک تو نہیں کر سکتے، لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ ہمیں دعا میں تضرع کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اسے چھپانے کا حکم دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اُدۡعُوۡا رَبَّكُمۡ تَضَرُّعًا وَّخُفۡيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الۡمُعۡتَدِيۡنَ ۝۵۵﴾ (الأعراف)

''تم اپنے رب کو گڑگڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے پکارو۔ بے شک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

اس اعتبار سے تو دعا کا تنہائی میں تو خوب اہتمام ہونا چاہیے، اور اگر مجلس میں بھی کبھی کبھار لمبی دعا ہو جائے اور اس میں رونا آ جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مجلس میں رونے کو ممکن حد تک چھپانے اور دبانے کی کوشش کرتے تھے۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں:

عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ خَطَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خُطْبَةً مَا سَمِعْتُ مِثْلَهَا قَطُّ، قَالَ: ((لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا، وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا)) قَالَ: فَغَطّٰى اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وُجُوْهَهُمْ لَهُمْ خَنِيْنٌ

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک مرتبہ ایسا خطبہ دیا کہ اس جیسا خطبہ میں نے پہلے کبھی نہیں سنا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تمہیں وہ معلوم ہو جائے جو مجھے معلوم ہے تو تمہارا ہنسنا کم ہو جائے اور رونا بڑھ جائے''۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے چہرے ڈھانپ لیے اور ان کے رونے

(۱) صحیح البخاری، کتاب تفسیر القرآن، باب قوله لاتسالوا عن اشياء ان تبدلكم تسؤكم۔ وصحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب توقيره وترك اكثار سؤاله عما لاضرورة اليه......

کی آواز سنائی دے رہی تھی۔''

یہ بات شاید مناسب نہیں ہے کہ کوئی قاری قرآن رمضان کے آخری عشرے میں ہر رات میں نپے تلے ردیف اور قافیوں میں دعا کا اہتمام کرتے ہوئے اپنا خشوع وخضوع لوگوں کو دکھائیں اور آواز کے زیر وبم سے لوگوں کو رلانے کی حتی الامکان کوشش کریں اور پھر ایسے مواقع کی آڈیو یا ویڈیو ریکارڈنگ کا بھی اہتمام ہو۔ پس اگر قاری قرآن ایک ہی طاق رات میں ایک سے زائد مساجد میں وتر پڑھا کر یا عالم دین وعظ کے ذریعے اپنی خشیت کا اظہار کریں کہ لوگ ان کی درد بھری دعا سننے کے لیے شدِ رحال کریں اور مسجد کی انتظامیہ ان کے نام پر اپنے مدرسے کی اشتہار بازی (advertisement) کرے' تو اس سب کچھ پر شاید قرآن مجید کی اس آیت کا اطلاق کیا جا سکتا ہے:

﴿ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۴۲﴾ ﴾ (النساء)

''اور جب وہ نماز کے لیے قیام کرتے ہیں تو سستی کی حالت میں لوگوں کو دکھانے کے لیے قیام کرتے ہیں اور (اس قیام میں) اللہ کو کم ہی یاد کرتے ہیں۔''

مجھے ذاتی طور پر جو اس کا تجربہ ہے' کہ میں نے بھی وتر کی اجتماعی دعاؤں میں لوگوں کو رلایا ہوا ہے' کہ یہ ایسا عمل ہے کہ جسے قرآن مجید کے بیان کے مطابق شیطان انسان کے لیے خوبصورت بنا دیتا ہے:

﴿ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۲۴﴾ ﴾ (النمل)

''اور شیطان نے ان کے لیے ان کے اعمال کو خوبصورت بنا دیا ہے' پس اُس نے اس طرح انہیں سیدھے رستے سے روک دیا ہے اور وہ ہدایت پانے والے نہیں ہیں۔''

پس یہ عمل ہے تو ریاکاری اور دکھلاوا' لیکن انسان اسے نیکی اور تقویٰ سمجھ رہا ہوتا ہے کہ میں نے اتنے لوگوں کو اللہ کے حضور رلا دیا اور انہیں توبہ کروا دی۔ شاید یہ تو بہت بڑا نیکی کا کام ہے کہ مالک کے گم شدہ غلاموں کو اس سے ملوا دیا جائے' لیکن ریاکاری کی یہ نیکی انسان اپنے اخلاص کے خون کا نذرانہ دے کے کر رہا ہوتا ہے۔ دوسروں کی اصلاح کا کام اگر ذاتی اصلاح کی قربانی کی قیمت پر ہو تو پھر اس صورت میں اپنی ذات کی اصلاح کو ترجیح دینی چاہیے۔

مشاہدے میں یہ بھی آیا ہے کہ ایسے خوش الحان واعظین کی ایک جماعت وجود میں آ چکی ہے جو نعت خواں حضرات کی طرح ایڈوانس رقم طے کرتی ہے اور رقم کم ہونے کی صورت میں ٹائم دینے پر آمادہ نہیں ہوتی۔ یہ حضرات رمضان کی ایک رات میں کئی کئی مساجد بھگتاتے ہیں۔ عموماً کسی مسجد میں وعظ کے دوران بار بار گھڑی کو دیکھتے ہیں اور جیسے ہی گھنٹہ پورا ہوا تو وعظ ختم...... کیونکہ مسجد والوں نے واعظ صاحب کو صرف ایک گھنٹے کا کرایہ دیا تھا۔ مزید گھنٹوں کے لیے نئے معاہدے کی ضرورت پڑتی ہے۔

ایسے واعظین عموماً مدرسے سے چوتھی یا پانچویں کلاس کے بھگوڑے ہوتے ہیں یا مدرسہ کی تاریخ میں ان کا علمی ریکارڈ کوئی قابلِ ذکر چیز نہیں ہوتا۔ رٹے رٹائے قصے کہانیاں سناتے ہیں' ہیکیں لگاتے ہیں' لطائف اور چٹکلے چھوڑتے ہیں اور شعر وشاعری میں وقت پاس کرتے ہیں۔ اپنی چاپلوسی کو پسند کرتے ہیں۔ دو چار طالب علم ان کے آگے پیچھے ہوتے ہیں۔ کوئی ان کی جوتیاں سیدھی کرے تو عجیب خوشی محسوس کرتے ہیں۔ وعظ کے لیے آتے اور جاتے وقت مسجد کے حجرہ میں ان کی خوب خاطر مدارت ہوتی ہے۔ بعض کا تو کھا کھا کر پیٹ اس قدر باہر آیا ہوتا ہے کہ کرتہ پھٹنے کو آئے۔

یہ واعظین رمضان کی طاق راتوں میں ٹائم پاس کرنے یا تفریح کا ایک بہترین ذریعہ بن چکے ہیں۔ ان کے وعظ میں اصلاح اور تربیت نام کی چیز نہیں ہوتی۔ ان کا بیان کیا ہوتا ہے' بس قصے کہانیوں' شعر وشاعری' ہیکوں' مخالف مکتبہ فکر پر پھبتیاں کسنے کا معجون مرکب ہوتا ہے۔

یہی حال رمضان المبارک میں قرّاء کا بھی بن چکا ہے۔ دو چار طالب علموں کے جلو میں تشریف لاتے ہیں۔ آدھی نماز ان کی سر پر رکھے سعودی رومال کو سنبھالنے میں ہی گزر جاتی ہے۔ بعضے تو خوب گلا پھاڑتے ہیں اور بعض بتکلّف رونے کی کوشش کرتے ہیں۔ خود بھی خوب خشوع وخضوع سے روتے ہیں اور لوگوں کو بھی رلانے میں پورا زور لگاتے ہیں۔ پورا سال خلوت میں جنہیں اپنے رب کے سامنے دو آنسو بہانے کی توفیق نصیب نہیں ہوتی وہ طاق راتوں میں ہزاروں کے مجمعے کو رلاتے ہیں۔ کمال ہے!

رہے نعت خواں حضرات تو ان کے تو کیا ہی کہنے! رمضان ہو یا غیر رمضان ان کی حرکتیں برابر ہیں۔ ان کے ریٹ اور کرائے کے اعتبار سے کئی درجے (grades) ہیں۔ اچھے نعت خواں وہ ہیں جو نعت پڑھنے کے معقول معاوضہ کے علاوہ ایئر ٹکٹ' فائیو سٹار ہوٹل میں قیام اور

سامعین کی طرف سے پھینکی جانے والی ویلوں کا بھی تقاضا کریں۔ اپنے عشقِ رسول ﷺ کا امت سے خوب معاوضہ وصول کرتے ہیں اور جس کا اظہارِ عشق جس قدر زیادہ ہے‘ اس کا کرایہ بھی اسی نسبت سے ہے۔ نعت کے بہانے اللہ کے رسول ﷺ کا نام خوب بیچ رہے ہیں اور خوب دنیا بنا رہے ہیں۔ خوب راگ الاپتے ہیں اور گانوں کی دھن پر نعت کہتے ہیں۔ بعض تو میوزک اور رقص کا بھی اہتمام فرماتے ہیں۔ بعض سٹیج پر تشریف لانے سے قبل گلا صاف کرنے کے لیے سگریٹ‘ پان اور تمباکونوشی کا اہتمام فرماتے ہیں‘ اور بعض نے تو گرل فرینڈ رکھنے کا بھی اظہار کیا ہے۔ ساری رات نعت پڑھیں گے اور صبح کی نماز قضا کر دیں گے‘ اور اپنی نعت میں اللہ کے رسول ﷺ کا ذکر بہت ہی کم کریں گے۔ اور ان کی نعت کیا ہے؟ دو چیزوں......یعنی اپنے عاشقِ رسول ہونے کے دعووں اور دوسرے مسلک کے گستاخِ رسول ہونے کے الزامات ......کا مجموعہ ہے۔ اللہ معاف فرمائے! نعت کو مسلکی عصبیت اور مذہبی منافرت کے بھڑکانے کے لیے خوب استعمال کرتے ہیں۔

ہمیں اپنی طاق راتوں کو طویل قیام‘ لمبے رکوع وسجود‘ ذکر واذکار‘ تلاوتِ قرآن‘ ترجمہ و تفسیر قرآن کے مطالعہ اور سماعت‘ محاسبہ نفس اور کائنات میں غور وفکر کے ساتھ مزین کرنا چاہیے اور معاصر مداریوں اور دین کے بیوپاریوں کی صحبت سے حتی الامکان بچنا چاہیے۔ اگر آپ کو نعت سننے کا شوق ہے تو اپنے گھر کے کسی بچے کو کوئی اچھی سی لکھی ہوئی نعت دیں اور اکیلے میں اس سے سن لیں۔ اس طرح نعت سننے سے آپ ﷺ کی ذات سے جو تعلق پیدا ہوگا‘ وہ ان کرائے کے نعت خوانوں کے راگ اور سر سے کبھی نہیں پیدا ہوگا۔ یہ واضح رہے کہ ہماری اس تحریر کا مقصد طاق راتوں میں کسی وعظ و بیان‘ نعت ونظم یا قیام اللیل کی نفی نہیں ہے‘ بلکہ انفرادی عبادات کی ترغیب وتشویق دلانا ہے۔

❁❁❁

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت وتبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

کیا ''اپنی مدد آپ'' کا نظریہ قرآنی ہے؟

پروفیسر عبداللہ شاہین

انگریزی کا ایک مقولہ ہے:

"God helps those, who help themselves"

یعنی خدا ان ہی کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں —— شاید اسی مقولہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے ''سید احمد خاں'' نے' جنہیں انگریزوں نے "Sir" کا خطاب دیا تھا' ''اپنی مدد آپ'' کے عنوان سے مضامین لکھے اور عقل و منطق کے گھوڑے دوڑائے۔ چنانچہ ہمارے طلبہ و طالبات بھی اسکولوں اور کالجوں کی اسٹیج پر ''قومی ترقی'' کے موضوع پر دھواں دار اور لچھے دار تقاریر کرتے ہیں اور جوشِ خطابت سے کام لیتے ہوئے بہ بانگ دہل بطور حوالہ و سند مولانا ظفر علی خان کا یہ شعر پڑھتے ہیں: ؎

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

اس شعر کے بارے میں دعویٰ ہے کہ یہ سورۃ الرعد کی آیت ﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ﴾ کا من وعن ترجمہ اور صحیح ترجمانی ہے۔ ماہنامہ ''میثاق'' کے شمارہ اکتوبر ۲۰۱۴ء میں شائع ہونے والے حافظ محمد مشتاق ربانی کے مضمون بعنوان ''مولانا ظفر علی خانؒ کا قرآن مجید سے شغف'' میں بھی یہی دعویٰ کیا گیا ہے کہ سورۃ الرعد کی آیت ۱۱ کا مفہوم مولانا نے اپنے اس شعر میں بیان کیا ہے جسے بہت قبول عام حاصل ہوا ہے۔

سورۃ الرعد کی آیت ۱۱ اور مفسرین کے اقوال

آئیے! جائزہ لیں کہ کیا یہ دعویٰ واقعی سچ اور صائب ہے؟ نیز مفسرین قرآن اس آیۂ مبارکہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں —— اس آیت کی تفسیر میں صاحبِ ''مواہب الرحمٰن'' (جامع البیان) لکھتے ہیں:

''بے شک اللہ تعالیٰ تبدیل نہیں فرماتا اُس حال کو جو ایک قوم کے ساتھ ہے' یعنی پسندیدہ حالت کو نہیں بدلتا یہاں تک کہ وہی لوگ بدلتے ہیں وہ بات ......یعنی حالت (ناشکری سے) تو اللہ تعالیٰ بھی ان کی حالت کو برائی (خراب حالت) کی طرف بدل ڈالتا ہے...... حاصل یہ کہ جس قوم پر بعد نعمت کے نکبت و فلاکت آتی ہے وہ جب ہی ہوتی ہے کہ وہ (قوم) اپنے طریقے اور نیت کو متغیر کر کے عذابِ الٰہی کی راہ پر لے جاتے ہیں۔ یا یہ مراد ہے کہ تغیر نعمتِ الٰہیہ جب ہوتی ہے کہ وہ (قوم) اپنی فطری صلاحیت زائل کر دیتی ہے......''

اسی طرح صاحبِ ''معارف القرآن'' رقم طراز ہیں:

''......یعنی اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالتِ امن و عافیت کو آفت و مصیبت میں اُس وقت تک تبدیل نہیں کرتا جب تک وہ قوم خود ہی اپنے اعمال و احوال کو برائی اور فساد میں تبدیل نہ کر لے' اور جب وہ اپنے حالات کو سرکشی اور نافرمانی سے بدلتی ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنا طرز بدل دیتے ہیں...... جب کوئی قوم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر اور اس کی اطاعت چھوڑ کر بدعملی اور سرکشی ہی اختیار کر لے...... تو اللہ تعالیٰ کا قہر و عذاب ان پر آتا ہے۔''

مزید لکھتے ہیں:

''......اس آیت کا جو عام طور پر یہ مفہوم بیان کیا جاتا ہے کہ کسی قوم میں اچھا انقلاب اُس وقت تک نہیں آتا جب تک وہ خود اس اچھے انقلاب کے لیے اپنے حالات کو درست نہ کر لے۔ اسی سلسلے میں یہ مشہور شعر بھی (پڑھا جاتا) ہے۔ ؎

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت بدلنے کا

(لیکن)...... آیت مذکورہ کا یہ مفہوم نہیں (کیونکہ) انعاماتِ الٰہیہ اس قانون کے پابند نہیں...... خود ہمارا وجود اور اس میں بے شمار نعمتیں نہ ہماری کوشش کا نتیجہ ہیں نہ ہم نے کبھی اس کے لیے دعا مانگی تھی کہ ہمیں ایسا وجود عطا کیا جائے جیسے آنکھ' ناک' کان سب قویٰ اور یہ سب نعمتیں بے مانگے ملی ہیں۔''

ثابت ہوا کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ جو قوم بدحالی اور مسائل کا شکار ہو جب تک وہ اپنی اس پریشانی اور بدحالی کو بدلنے کی کوشش نہ کرے گی' اللہ بھی انہیں اسی حال میں رہنے دیتا ہے' درست بات نہیں ہے۔ اور مذکورہ بالا خامہ فرسائی اور قافیہ پیمائی آیۂ مبارکہ کے الٹ اور برعکس

کی گئی ہے‘ کیونکہ شاعر کا دعویٰ تو یہ ہے کہ انسانی خوشحالی‘ عوامی منصوبہ بندی کے سبب ہوتی ہے‘ جبکہ کلامِ الٰہی بتا رہا ہے کہ یہ سب کچھ عنایات والطافِ الٰہیہ کے باعث ہے‘ جسے اگر انسان کھوتا ہے تو ناقدری اور ناشکری سے کھوتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اس کی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔ ذیل میں چند ایک مثالوں کو بیان کیا جاتا ہے:

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کی ناشکریاں

سورۃ البقرۃ میں قومِ بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کی نوازشات کا ذکر بایں الفاظ کیا گیا ہے:

﴿يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ......﴾ (البقرۃ: ۴۰)

’’اے بنی اسرائیل! یاد کرو میرے اُس انعام کو جو میں نے تم پر کیا......‘‘

﴿وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۭ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۭ﴾ (البقرۃ: ۵۷)

’’اور اتارا تم پر مَنّ اور سلویٰ۔ (ہم نے کہا) کھاؤ ان پاکیزہ چیزوں کو جو ہم نے تم کو عطا کی ہیں۔‘‘

مگر اس ناشکری قوم نے بلامشقت ملنے والے رزق کی ناقدری کرتے ہوئے اپنے پیغمبرؑ سے اس سے کمتر چیزوں کا مطالبہ کر دیا۔

﴿وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰي طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّاۗىِٕهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ۭ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ ۭ اِھْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ۭ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۤ وَبَاۗءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝۶۱﴾ (البقرۃ)

’’اور (یاد کرو) جب کہ تم نے کہا تھا اے موسیٰ! ہم ایک ہی کھانے پر صبر نہیں کر سکتے تو ذرا اپنے ربّ سے ہمارے لیے دعا کرو کہ نکالے ہمارے لیے اس سے کہ جو زمین اُگاتی ہے اُس کی ترکاریاں اور ککڑیاں اور لہسن اور مسور اور پیاز۔ (حضرت موسیٰ علیہ السلام نے) فرمایا: کیا تم وہ شے لینا چاہتے ہو جو کم تر ہے اُس کے بدلے میں جو بہتر ہے؟ اُترو کسی شہر میں تو تم کو مل جائے گا جو کچھ تم مانگتے ہو۔ اور ان پر ذلت وخواری اور محتاجی و کم ہمتی تھوپ دی گئی اور وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹے۔ یہ اس لیے ہوا کہ وہ اللہ کی

آیات کا انکار کرتے رہے اور اللہ کے نبیوں کو ناحق قتل کرتے رہے۔ اور یہ اس لیے ہوا کہ وہ نافرمان تھے اور حد سے تجاوز کرتے تھے۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو بہت سی نعمتوں سے نوازا تھا جن میں ایک اہم نعمت نزولِ ’’مَن و سلویٰ‘‘ تھی —— مَنّ کے بارے میں سیدنا قتادہؒ کا کہنا ہے کہ یہ دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا تھا۔ اُن کے گھروں میں اس طرح نازل ہوتا جس طرح برف باری ہوتی ہے اور طلوعِ فجر سے طلوعِ آفتاب تک نازل ہوتا رہتا۔ ہر شخص اپنی ضرورت کے مطابق دن بھر کے لیے لے لیتا۔ اگر کوئی اس سے زیادہ لیتا تو یہ خراب ہو جاتا اور کھانے کے قابل نہ رہتا۔ البتہ جمعہ کے دن وہ اس قدر لے سکتے تھے جو جمعہ اور ہفتہ دونوں دنوں کے لیے کافی ہو‘ کیونکہ ہفتہ عبادت کا دن تھا اور اس دن عبادت کے سوا دیگر تمام کاموں کی چھٹی ہوتی۔ ’’مَن‘‘ کے بارے میں یہ بھی روایت ہے کہ اسے تنہا کھایا جاتا تو یہ کھانا بھی تھا اور مٹھاس بھی اور اگر اس کو پانی میں حل کیا جاتا تو اس سے ایک عمدہ مشروب بن جاتا۔

’’سلویٰ‘‘ کے بارے میں روایت ہے کہ وہ ایک پرندہ تھا جس طرح جنت کے پرندے ہوں گے —— جنوب کی طرف سے ہوا چلتی تو وہ ان کے ڈھیر لگا دیتی۔ آدمی اپنی دن بھر کی ضرورت کے مطابق ذبح کر لیتا تھا —— یہ نعمت میدانِ تیہہ یعنی جنگل میں مل رہی تھی۔ مگر بنی اسرائیل نے اس پاکیزہ‘ مفید‘ خوش ذائقہ اور آسانی سے دستیاب ہونے والے کھانے کی ناقدری اور ناشکری کی اور اس کے بجائے ترکاریوں اور سبزیوں وغیرہ کا مطالبہ کر دیا جو اس کی نسبت کم تر تھیں۔ سیدنا حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے مَن وسلویٰ پر صبر نہ کیا اور مسور‘ پیاز‘ ترکاری‘ ککڑی‘ لہسن اور گندم کا مطالبہ کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہم ایک ہی کھانے پر ہرگز صبر نہیں کر سکتے‘ لہٰذا اپنے رب سے دعا مانگ کہ وہ ہمارے لیے وہ چیزیں نکالے جو زمین سے اُگاتی ہے —— موسیٰ علیہ السلام نے کہا: کیا تم عمدہ چیزیں چھوڑ کر ان کے بدلے ناقص چیزیں چاہتے ہو؟ یہ ان کو سرزنش تھی کہ انہوں نے ان کمتر کھانوں کا مطالبہ کیا‘ حالانکہ انہیں بہت عمدہ اور خوش ذائقہ کھانا مل رہا تھا اور وہ روزی روٹی کی فکر سے آزاد ہو کر عیش وعشرت کی زندگی بسر کر رہے تھے —— تو جواباً کہا گیا کہ یہ جو تم نے مطالبہ کیا ہے یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے‘ تم کسی بھی شہر میں چلے جاؤ! یہ سادہ سی چیزیں تو ہر جگہ کثرت سے دستیاب ہیں۔ ان کے لیے خصوصی دعا کی کیا ضرورت ہے؟ جو مانگتے ہو مل جائے گا۔ چونکہ بنی اسرائیل

کا یہ سوال سرکشی اور نعمت الٰہی کو ٹھکرانے پر مبنی تھا اس لیے وہ اللہ کے غضب اور ناراضی میں آ گئے‘ من وسلویٰ کی نعمت ان سے چھن گئی اور محتاجی و بے نوائی کو ان سے چمٹا دیا گیا۔

قارون کی ناشکری اور اس کا انجامِ بد

اسی طرح سورۃ القصص میں قارون کی اکڑ اور ناشکری کا یوں ذکر ہوا:

﴿اِنَّ قَارُوۡنَ کَانَ مِنۡ قَوۡمِ مُوۡسٰی فَبَغٰی عَلَیۡہِمۡ ۪ وَاٰتَیۡنٰہُ مِنَ الۡکُنُوۡزِ مَاۤ اِنَّ
مَفَاتِحَہٗ لَتَنُوۡٓاُ بِالۡعُصۡبَۃِ اُولِی الۡقُوَّۃِ ٭ اِذۡ قَالَ لَہٗ قَوۡمُہٗ لَا تَفۡرَحۡ اِنَّ اللّٰہَ لَا
یُحِبُّ الۡفَرِحِیۡنَ ﴿۷۶﴾ وَابۡتَغِ فِیۡمَاۤ اٰتٰىکَ اللّٰہُ الدَّارَ الۡاٰخِرَۃَ وَلَا تَنۡسَ نَصِیۡبَکَ
مِنَ الدُّنۡیَا وَاَحۡسِنۡ کَمَاۤ اَحۡسَنَ اللّٰہُ اِلَیۡکَ وَلَا تَبۡغِ الۡفَسَادَ فِی الۡاَرۡضِ ؕ اِنَّ
اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الۡمُفۡسِدِیۡنَ ﴿۷۷﴾ قَالَ اِنَّمَاۤ اُوۡتِیۡتُہٗ عَلٰی عِلۡمٍ عِنۡدِیۡ ؕ اَوَلَمۡ یَعۡلَمۡ
اَنَّ اللّٰہَ قَدۡ اَہۡلَکَ مِنۡ قَبۡلِہٖ مِنَ الۡقُرُوۡنِ مَنۡ ہُوَ اَشَدُّ مِنۡہُ قُوَّۃً وَّاَکۡثَرُ جَمۡعًا ؕ
وَلَا یُسۡـَٔلُ عَنۡ ذُنُوۡبِہِمُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ﴿۷۸﴾ فَخَرَجَ عَلٰی قَوۡمِہٖ فِیۡ زِیۡنَتِہٖ ؕ قَالَ
الَّذِیۡنَ یُرِیۡدُوۡنَ الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا یٰلَیۡتَ لَنَا مِثۡلَ مَاۤ اُوۡتِیَ قَارُوۡنُ ۙ اِنَّہٗ لَذُوۡ حَظٍّ
عَظِیۡمٍ ﴿۷۹﴾ وَقَالَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ وَیۡلَکُمۡ ثَوَابُ اللّٰہِ خَیۡرٌ لِّمَنۡ اٰمَنَ وَعَمِلَ
صَالِحًا ۚ وَلَا یُلَقّٰہَاۤ اِلَّا الصّٰبِرُوۡنَ ﴿۸۰﴾ فَخَسَفۡنَا بِہٖ وَبِدَارِہِ الۡاَرۡضَ ۟ فَمَا
کَانَ لَہٗ مِنۡ فِئَۃٍ یَّنۡصُرُوۡنَہٗ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ ٭ وَمَا کَانَ مِنَ الۡمُنۡتَصِرِیۡنَ ﴿۸۱﴾﴾

’’یقیناً قارون موسیٰؑ کی قوم ہی سے تھا لیکن اُس نے ان کے خلاف سرکشی کی‘ اور اُس کو ہم نے اتنے خزانے دے رکھے تھے کہ ان کی چابیاں ایک طاقتور جماعت مشکل سے اٹھا سکتی تھی۔ جب اس سے کہا اس کی قوم کے لوگوں نے کہ اِتراؤ مت یقیناً اللہ اِترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور جو کچھ اللہ نے تمہیں دیا ہے اس سے دارِ آخرت حاصل کرنے کی کوشش کرو اور مت بھولو تم دنیا سے اپنا حصہ‘ اور لوگوں کے ساتھ احسان کرو‘ جیسے اللہ نے تمہارے ساتھ احسان کیا ہے اور زمین میں فساد مت مچاؤ۔ یقیناً اللہ فساد مچانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اُس نے کہا کہ مجھے تو یہ سب کچھ ملا ہے اُس علم کی بنیاد پر جو میرے پاس ہے۔ کیا اُسے معلوم نہیں تھا کہ اللہ اس سے پہلے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر چکا ہے جو طاقت اور مال و اسباب کی فراوانی میں اس سے کہیں بڑھ کر تھیں! اور (اللہ کے ہاں) مجرم لوگوں سے ان کی خطاؤں کے بارے میں پوچھا بھی نہیں جاتا۔ پھر (ایک دن) وہ نکلا اپنی قوم کے سامنے اپنے پورے ٹھاٹھ باٹھ میں۔ کہا ان لوگوں نے جو خواہش مند تھے دنیا ہی کی زندگی کے‘ کہ کاش یہ سب کچھ ہمارے لیے بھی ہوتا جو قارون کو ملا ہے‘ یقیناً وہ تو بہت بڑے نصیب والا ہے۔ اور کہا ان لوگوں نے جنہیں علم عطا ہوا تھا افسوس ہے تم پر! اللہ کا (عطا کردہ) ثواب (اس سے) کہیں بہتر ہے اُس شخص کے لیے جو ایمان لایا اور اُس نے نیک عمل کیے۔ اور وہ نہیں ملے گا مگر ان لوگوں کو جو صبر کرنے والے ہیں۔ تو ہم نے اُسے اور اُس کے محل کو زمین میں دھنسا دیا۔ تو اُس کے لیے نہ تو کوئی ایسا لشکر تھا جو اُس کی مدد کرتا اللہ کے مقابلے میں اور نہ وہ خود اس قابل تھا کہ بدلہ لینے والوں میں ہوتا۔‘‘

روایات کے مطابق قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چچا کا بیٹا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے خزانوں سے اس قدر دیا تھا کہ ان کی چابیاں ایک طاقتور جماعت پر اٹھانی مشکل ہوتیں لہٰذا جب وہ سوار ہو کر باہر نکلتا تو اس کے خزانوں کی یہ کنجیاں ساٹھ خچروں پر لادی جاتی تھیں —— اس کی قوم کے نیک لوگ اسے نصیحت کرتے تھے کہ اپنے اس مال و دولت پر فخر و غرور نہ کرو! کیونکہ اللہ تعالیٰ گھمنڈ کرنے اور اکڑنے والے لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو بے حساب مال اور عظیم الشان نعمتیں عطا فرمائی ہیں‘ انہیں اپنے رب کی اطاعت اور اس کے تقرب کے حصول کے لیے خرچ کرو اور مختلف قسم کے اچھے اچھے کام سرانجام دو تاکہ تمہیں آخرت کا ثواب ملے۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں کھانے پینے‘ لباس‘ رہائش اور شادی بیاہ کے جن کاموں کو جائز قرار دیا ہے‘ انہیں بھی ضرور اختیار کرو‘ کیونکہ تمہارے رب کے حق کے ساتھ تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے‘ تمہاری بیوی بچوں کا بھی حق ہے‘ تمہارے مہمانوں کا بھی حق ہے‘ پس ہر حقدار کو اُس کا حق ادا کرو —— مگر قارون یہ جواب دیتا کہ مجھے تمہاری ان باتوں کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ مال تو مجھے میرے علم و ہنر کی بنیاد پر دیا گیا ہے۔ اس طرح اس نے اپنے رب کی نعمتوں کی ناشکری کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دن قارون بڑے کر و فر‘ بڑے غرور و تکبر اور بڑی شان و شوکت کے ساتھ اپنی قوم کے سامنے یوں نکلا کہ اس کے خدم و حشم نے بہت فاخرانہ لباس پہن رکھا تھا اور بڑی آرائش و زیبائش اور ٹھاٹھ باٹھ سے اعلیٰ سواریوں پر سوار تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے گھر سمیت اسے زمین میں دھنسا دیا اور اس کا مال‘ اس کی جماعت اور خدم و حشم اس کے کچھ کام نہ آ سکے۔

قومِ سبا کی ناشکری اور ان کا انجام

سورۂ سبا میں قومِ سبا کی ناشکری اور ان کے انجام کا تذکرہ یوں کیا گیا ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ ۭ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۭ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ﴿۱۵﴾ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ﴿۱۶﴾ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ۭ وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ﴿۱۷﴾﴾

''(اسی طرح) قومِ سبا کے لیے بھی ان کے مسکن میں ایک نشانی موجود تھی‘ دو باغات (کے سلسلے) تھے دائیں اور بائیں طرف۔ کھاؤ اپنے رب کے رزق میں سے اور اُس کا شکر ادا کرو۔ (تمہارا) شہر بہت پاکیزہ ہے اور (تمہارا) رب بہت بخشنے والا ہے! تو انہوں نے اعراض کیا‘ چنانچہ ہم نے بھیج دیا اُن پر سیلاب بہت زور کا اور ہم نے بدل دیے ان کے دو باغوں کی جگہ دو اور باغ‘ جن میں کڑوے کسیلے پھل‘ جھاؤ کے درخت اور کچھ تھوڑی سی بیریاں تھیں۔ یہ بدلہ دیا ہم نے ان کو ان کے کفرانِ نعمت کی وجہ سے۔ اور ہم ایسا برا بدلہ نہیں دیتے مگر ناشکرے لوگوں کو۔''

قومِ سبا یمن کی رہائشی تھی۔ اس کو پھلوں کی بہتات اور رزق کی فراوانی حاصل تھی اور اپنے علاقے میں خوشحالی اور عیش وعشرت کی زندگی میسر تھی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بذریعہ اپنے رسولوں کے انہیں حکم دیا کہ اللہ کا رزق کھائیں‘ اس کا شکر بجا لائیں اور اس کی توحید کے گیت گائیں اور بندگی اختیار کریں —— کچھ عرصہ یہ لوگ حضرات انبیاء کرام ﷺ کی تعلیمات پر عمل پیرا رہے لیکن پھر انہوں نے منہ موڑ لیا تو انہیں یہ سزا دی گئی کہ ایک بہت بڑا سیلاب بھیج کر ان کا شیرازہ بکھیر دیا گیا —— جس کی تفصیل یہ ہے کہ قومِ سبا جس علاقہ میں آباد تھی اس میں پانی دو پہاڑیوں کے درمیان سے آتا تھا۔ علاوہ ازیں یہاں سیلابوں‘ بارشوں اور وادیوں سے آنے والا پانی بھی جمع ہو جاتا تھا۔ قدیم بادشاہوں نے یہاں ایک عظیم اور بہت مضبوط ڈیم بنا دیا تھا۔ حتیٰ کہ پانی کی سطح بلند ہو کر ان دونوں پہاڑوں کی چوٹیوں تک پہنچ گئی۔ یہاں پر بہت سے درخت بھی اُگا دیے گئے جن میں بہت خوبصورت اور بڑی کثرت سے پھل لگنے لگے۔ امام قتادہؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت اپنے سر پر خالی ٹوکرا رکھ کر ان درختوں کے نیچے چلتی تو پکے ہوئے پھل اس کثرت سے گرتے کہ ٹوکرا بھر جاتا اور پھلوں کو خود توڑنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی

تھی۔ نیز اس شہر میں مکھی‘ مچھر‘ پسو اور اس طرح کے دیگر موذی جانور نہ تھے۔ ہوا معتدل اور موسم خوشگوار تھا۔ اللہ تعالیٰ کی یہ سب عنایات ان کے شاملِ حال تھیں تاکہ یہ اللہ تعالیٰ کی توحید کو اختیار کریں اور اس کی بندگی میں اپنی زندگی صرف کریں۔ مگر انہوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید‘ اس کی عبادت اور اس کی نعمتوں کی شکرگزاری سے منہ پھیر لیا —— پس اللہ تعالیٰ نے سیلاب کی صورت میں انہیں سزا دینے کا فیصلہ کیا تو علاقہ میں موجود ڈیم پر زمین کا ایک معمولی جانور بھیج دیا جسے چوہا کہا جاتا ہے۔ اس نے ڈیم میں سوراخ کر دیا جس کی وجہ سے دیواریں کمزور ہو گئیں اور جب سیلاب کے دن آئے اور پانی زور سے ڈیم کی دیواروں سے ٹکرایا تو وہ گر گئیں اور وادی میں زوردار سیلاب آ گیا جس کی زد میں جو بھی عمارتیں یا درخت وغیرہ آئے سب تباہ و برباد ہو گئے۔ اور جب پانی اترا اور خشک ہوا تو تمام درخت گل سڑ چکے تھے اور وہ درخت جو کبھی بڑے ثمر آور‘ پربہار اور سرسبز وشاداب ہوتے تھے ان کے بدلے چند بیریاں اور کیکر کے درخت رہ گئے۔

بہرحال ان کے باغوں کا حشر یہ ہوا کہ عمدہ شیریں پھلوں‘ حسین وجمیل نظاروں‘ ٹھنڈے اور گھنے سایوں اور رواں دواں نہروں کو پیلو‘ جھاؤ اور بیری کے ایسے درختوں سے بدل دیا گیا جن میں کانٹے زیادہ اور پھل کم ہوتے —— یہ سب کفر و شرک‘ حق کی تکذیب اور باطل کی طرف مائل ہو جانے کی وجہ سے ہوا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے انہیں ان کی ناشکری کی سزا دی اور ہم صرف ناشکرے لوگوں کو ہی سزا دیا کرتے ہیں۔

انعاماتِ الٰہیہ کی ناشکری سے بچیے!

امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اللہ عظیم نے سچ فرمایا ہے کہ ناشکرے کو اس کے فعل کے مثل سزا دی جاتی ہے۔ تاہم صاحبِ ''تیسیر القرآن'' سورۃ الرعد کی مذکورہ آیت ۱۱ کی تشریح میں رقم طراز ہیں:

> ''اس آیت کے الفاظ بڑے وسیع معانی رکھتے ہیں اور اس کے کئی مطلب ہو سکتے ہیں۔ مثلاً ایک یہ کہ ''مَا'' کو کسی قوم کی خوش الحالی پر محمول کیا جائے۔ اس صورت میں اس کے وہی معانی ہیں جو ترجمہ میں کیے گئے ہیں۔ البتہ ''مَا بِاَنْفُسِهِمْ'' کا معنی طرزِ عمل کی بجائے نیت کا فتور بھی ہو سکتا ہے‘ یعنی جب تک کوئی قوم اللہ کی تابع فرمان بن کر رہے‘ اللہ اس سے وہ نعمت نہیں چھینتا —— پھر جب ان لوگوں کی نیتوں میں فتور آ جائے یا (طرزِ عمل میں) بگاڑ پیدا ہو جائے تو اللہ کی نعمتیں بھی ان سے چھین لی جاتی ہیں۔ اور

اگر ’’مَا‘‘ کو کسی قوم کی بدحالی اور مصائب پر محمول کیا جائے تو اس کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ جو قوم بدحالی اور مسائل کا شکار ہے جب تک وہ اپنی اس پریشانی کو بدلنے کی کوشش نہ کرے گی‘ اللہ بھی انہیں اس حال میں رہنے دیتا ہے۔‘‘

پیش نظر رہے کہ تفسیر قرآن کا ایک اصول ’’یُفَسِّرُ بَعْضُہٗ بَعْضًا‘‘ ہے۔ یعنی قرآن پاک کی بعض آیات بعض دوسری آیات کی تفسیر و تشریح بیان کرتی ہیں۔ لہٰذا سورۃ الرعد کی مذکورہ آیت میں ’’مَا بِاَنْفُسِهِمْ‘‘ سے کیا مراد ہے؟ اس کی بہترین تفسیر سورۃ الانفال کی آیت ۵۲ تا ۵۳ میں ہے‘ جہاں ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ﴾ کے مرادی معنی کو بالکل واضح کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ صاحب ’’تیسیر القرآن‘‘ خود ہی سورۃ الانفال کی مذکورہ آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں: ’’فرمانِ باری تعالیٰ ہے کہ اے نبی ﷺ! ہم نے ان اہلِ مکہ سے پہلے آلِ فرعون اور دوسری بہت سی اقوام پر انعامات کی بارش کی تھی لیکن انہوں نے ان انعامات کی ناقدری کی۔ ان کی نیتوں میں فتور آ گیا۔ اللہ کا شکر ادا کرنے اور اس کی تابع فرمانی کرنے کی بجائے وہ اس کی نافرمانی اور سرکشی پر اتر آئے تھے۔ لہٰذا ہم نے ان کو ان کے گناہوں کی پاداش میں تباہ و برباد کر ڈالا۔‘‘

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنی نعمتوں کی ناشکری سے بچائے اور قدر دانی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

❀❀❀

رمضان المبارک کا بہترین تحفہ

تعارف الکتاب (قرآن حکیم کے تیس پاروں کے اہم مضامین کا اجمالی بیان)

محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے قرآن مجید کے ہر پارے کے مضامین کے حوالے سے اس کے چیدہ چیدہ نکات ایک خلاصے کی صورت میں بیان کیے ہیں۔ قرآن حکیم کے تعارف کے ضمن میں ایک اہم کتاب ہے۔

قیمت: -/150 (رمضان المبارک میں 50 فیصد رعایت)

❀ ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی ایک کتاب ’’تعارفِ قرآن‘‘ کا خلاصہ مفت طلب کریں۔

ملنے کے پتے:

قرآن اکیڈمی، 36-K ماڈل ٹاؤن، لاہور۔

مرکز تنظیم اسلامی، 67-A علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور۔

پاکستان میں انجمن خدام القرآن کے مراکز اور تنظیم اسلامی کے مراکز سے حاصل کر سکتے ہیں۔

صُفہ پبلشرز بوتل بازار، شاہ عالم مارکیٹ، لاہور۔ فون: 042-37668110

داخلے جاری ہیں

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام

(پارٹ I اور II)

رجوع الی القرآن کورسز

یہ کورسز بنیادی طور پر تعلیم یافتہ افراد کے لیے ترتیب دیے گئے ہیں‘ تا کہ وہ حضرات جو کم از کم انٹرمیڈیٹ کی سطح تک اپنی دنیاوی تعلیم مکمل کر چکے ہوں اور اب بنیادی دینی تعلیم بالخصوص عربی زبان سیکھ کر فہم قرآن کے حصول کے خواہش مند ہوں‘ ان کورسز کے ذریعے ان کو ایک ٹھوس بنیاد فراہم کر دی جائے۔ ہفتے میں پانچ دن روزانہ صبح کے اوقات میں تقریباً پانچ گھنٹے تدریس ہوگی۔ ہفتہ وار تعطیل ہفتہ اور اتوار کو ہوگی۔

نصاب (پارٹ I)

1. عربی صرف و نحو
2. ترجمۂ قرآن
3. آیاتِ قرآنی کی صرفی و نحوی تحلیل
4. قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی
5. تجوید و ناظرہ
6. مطالعۂ حدیث و فقہ العبادات
7. اصطلاحاتِ حدیث
8. اضافی محاضرات

نصاب (پارٹ II)

1. مکمل ترجمۃ القرآن (مع تفسیری توضیحات)
2. مجموعۂ حدیث
3. فقہ
4. اصولِ تفسیر
5. اصولِ حدیث
6. اصولِ فقہ
7. عقیدہ
8. عربی زبان و ادب
9. اضافی محاضرات

- اس سال کلاسز کا آغاز 10 اگست سے ہوگا
- داخلہ کے خواہشمند خواتین و حضرات 10 اگست کو صبح 8:30 بجے انٹرویو کے لیے قرآن اکیڈمی تشریف لائیں
- پارٹ II میں خواتین کی شرکت کا انتظام نہیں ہے

نوٹ: پارٹ I میں داخلے کے لیے انٹرمیڈیٹ پاس ہونا اور پارٹ II میں داخلے کے لیے رجوع الی القرآن کورس (پارٹ I) پاس کرنا لازمی ہے

برائے رابطہ: **قرآن اکیڈمی**
36-K ماڈل ٹاؤن لاہور
فون: 35869501-3
email:irts@tanzeem. org
ندیم سہیل
0322-4371473

July 2015
vol. 64

Regd. CPL No. 115
No.7

Monthly **Meesaq** Lahore